اُصولِ تحقیق

ڈاکٹر افتخار احمد خان

اصول تحقیق

ڈاکٹر افتخار احمد خان

Ph:041-2613449,2627568Email:shamabooks@live.com

خوبصورت معیاری اور روشن کتابیں

کتاب	اُصول تحقیق
مؤلف	ڈاکٹر افتخار احمد خان
زیرِ نگرانی	ڈاکٹر محمد ہمایوں عباس شمس
نظرِ ثانی	ڈاکٹر عمرانہ شہزادی
ناشر	محمد اکمل حمید
کمپوزنگ	حمزہ گرافکس
پروف ریڈنگ	زبیر احمد خان
سرورق	اسد عباس

اہتمام:
شمع بکس
بیسمنٹ چیمہ کلینک کارنر ریگل روڈ بیرون بھوانہ بازار فیصل آباد
Ph:041-2613449,2627568Email:shamabooks@live.com

والدین

اساتذہ

کے نام

فہرست مضامین

باب:۱۰

باب:۱۱

♦♦♦

تقریظ

تحقیق ایک کٹھن سفر ہے، اس راہ کے راہی کو آبلہ پائی کا بھی سامنا کرنا پڑتا ہے، وشتِ طلب میں کبھی اِس نگر کبھی اُس نگر جانا پڑتا ہے، دھوپ اور چھاؤں کو برداشت کرتے ہوئے بلند ہمت افراد ہی مشکلات کے دریا کو عبور کر کے منزل پر پہنچتے ہیں، جب انہیں حقائق کا اجالا ملتا ہے تو سفر کی ساری تکان راحت میں تبدیل ہو جاتی ہے۔ ہمارے ایک استادِ محترم نے فرمایا تھا: ''علم کا کچھ نور نصابی کتب پڑھ لینے سے حاصل ہوتا ہے، علمی پختگی پڑھانے سے آتی ہے، مگر علم میں وسعت تحقیق کی راہوں پر چلنے سے ملتی ہے۔''

ہمارے ہاں طلبہ و طالبات بی ایس کے مرحلے میں آخری سمیسٹر کے دوران اگر مقالہ لکھ لیتے ہیں تو اُنہیں ایم اے اور پی ایچ ڈی کے مرحلے میں تحقیق کی دشوار راہوں پر نشیب و فراز کا سامنا کرنے کا ہنر آجاتا ہے، اور جو طلبہ و طالبات ایم فل کے مرحلے میں ہی تحقیق کے سفر پر گامزن ہوتے ہیں انہیں تحقیق کی گتھیاں سلجھانے میں وقت بھی لگتا ہے اور دقت بھی پیش آتی ہے۔ پیشِ نظر کتاب کے مصنف، ہمارے فاضل دوست ڈاکٹر افتخار احمد خان نہ صرف خود تحقیقی ذوق رکھنے والے ہیں بلکہ کثیر طلبہ کی تحقیق کے میدان میں رہنمائی فرمائی، وہ HEC کے رجسٹرڈ سپروائزر ہیں اور اب تک ایم اے کے تیس سے زیادہ، ایم فل کے بیس سے زیادہ اور پی ایچ ڈی کے سات مقالہ جات مکمل کروا چکے ہیں۔ انہوں نے مقالہ نگاروں کو جن مقامات پر پریشان ہوتے دیکھا ان دشواریوں کو آسان کرنے کی کامیاب کوشش کی ہے۔ امید ہے کہ اس کتاب سے روشنی حاصل کرنے والے مقالہ نگار تحقیق کے سفر میں بہترین زادِ راہ لے کر چلتے ہوئے اپنی منزل پر پہنچیں گے۔

میں نے خود بھی تحقیقی مقالہ جات کی نگرانی کے دوران مقالہ نگار طلبہ و طالبات کو جن مسائل سے دوچار ہوتے دیکھا پیشِ نظر کتاب میں ان مشکلات کا حل موجود ہے۔

فاضل مصنف نے نہایت عرق ریزی سے اصولِ تحقیق پر عربی، انگریزی، فارسی اور اُردو کی مستند کتب کا مطالعہ کیا اور اپنا حاصلِ مطالعہ مقالہ نگار حضرات کی آسانی کے لیے یکجا کر دیا۔ انہوں نے خاص طور پر تحقیقی اصطلاحات کی وضاحت کی، حاشیہ اور حاشیہ، اسلوب اور منہج، موضوع اور عنوان میں فرق کی وضاحت کی ہے۔ یہ سب کچھ مدِ نظر رکھتے ہوئے اختصار کا دامن بھی نہ چھوڑا، طوالت سے گریز کیا تاکہ قارئین کے اذہان منتشر نہ ہوں۔

اسأل اللہ العظیم أن یبارک لنافی علم أخینا الدکتور افتخار احمد خان وینفع الباحثین بکتابه هذا ویوفقه لما یحبه ویرضاه، انه علی مایشاء قدیر وبالاجابة جدیر، وصلی اللہ علی حبیبه سیدنا محمد وعلی آله وصحبه وبارک وسلم

ڈاکٹر ممتاز احمد سدیدی
سابق صدر شعبہ عربی
دی یونیورسٹی آف فیصل آباد
۵ محرم الحرام ۱۴۳۶ھ

تشخّص تحقیق کا جمود شکن

کائنات ارضی میں کسی بھی قسم کے اصول کے ظہور و شہود کے لیے کسی مبداء و مصدر اور مشتق منہ کا ہونا ضروری ہے۔ کیونکہ یہ بساطِ بشریت کے قضایا جات کا بنیادی عنصر ہے ورنہ تخلیق کارِ ازل اور خلقِ احسن کے مابین قدرِ مشترک ختم ہو جائے گی، اللہ بدیع السمٰوٰت والارض میں لفظِ بدیع اسی مؤقف ونظریہ پر برہانِ ساطع ہے۔ یہ صفت اسی موصوفِ کمالِ اَتم کے ساتھ خاص ہے اس لیے کہ وہ علیم وبصیر اور سمیع وخبیر ہے۔ نگارخانہ تخلیق اسی کے بنائے ہوئے اصولوں پر انفاسِ حیات کی حرارت سے متحرک ہے۔

یہ بات مشاہدہ کے دائرے سے باہر نہیں کہ جب کلامِ نفسی کلامِ لفظی بن کر قلبِ مصطفی صلی اللہ علیہ وسلم پر اترتا ہے تو اس کے اجمال کو زبانِ ماینطق عن الھوی تشریح وتفصیل کے مراحل سے گزارتی چلی جاتی ہے۔ گویا یہ ایک تفسیر تھی جو کسی مروجہ اصولوں پر نہیں بلکہ الٰہی اصولوں پر شہود پذیر ہوئی تھی۔ آپ کی حیاتِ ظاہرہ کے بعد آیاتِ ربانی کی تفسیر کے لیے کئی اصول معرضِ وجود میں آئے، کئی شرائط نے جنم لیا اور کئی علوم تفہیم ومطالب کی رسی سے باندھے گئے تاکہ کوئی عبدِ خواہشات اس کلام کے معانی کو کسی بھی قسم کی ذاتی رائے کا داغ نہ لگا سکے۔ مطلب یہ کہ مصحفِ لاریب کی تفسیر کا نمونہ پہلے سے موجود تھا بس بعد میں آنے والوں نے اس مبدأ و مصدر اور مشتق منہ کے اصولوں کو اس کی تفسیر کا جزوِ لاینفک بنا دیا۔ یہی وجہ تھی کہ اناجیلِ اربعہ اور دیگر صحائف وکتب ان اصولوں پر نہ چل کر حوادثات وتغیراتِ زمانہ کی نذر ہو گئے اور تشکیک کی اس وادی میں جا پہنچے جہاں طائرانِ ایقان واثبات کی پرواز کی رسائی ممتنع ہے۔ اسی طرح حدیث تو موجود تھی مگر اس کی صحت وثقاہت اور ضعف وعلل کے اصول بعد میں مرتب کیے گئے۔ علی ھذا القیاس باقی نظائر وشعائر بھی اسی منہج واسلوب

کے زمرے میں آتے ہیں۔

تحقیق اجزائے فکرِ انسانی کی طرح اپنے زاویوں کی تعداد کا شمار نہیں رکھتی۔ انواعِ موضوعات کی کثرت، کثرتِ ایجادات کا باعث بنتی جا رہی ہے۔ ہر موضوع کے الگ اصول اور علاحدہ ضوابط ہیں۔ ایک محقق اپنی فکر کے دائرے کو انہی اصولوں کی پرکار سے تمام کرتا ہے۔ اگر لسانیات کے تجنیسی جغرافیہ کو دیکھا جائے تو تحقیق کی نو بہ نو وادیوں میں وہ جدید علمی منطقے اور خطے دیکھنے کو ملتے ہیں جو فکرِ انسانی کی مسلسل جستجو کا حاصل اور ثمرہ ہیں۔

شیخ الادب فصاحت مآب ڈاکٹر افتخار احمد خان نے تحقیق کی نو بہ نو وادیوں میں انہی منطقوں اور خطوں کی دریافت کے لیے متعینہ اصولوں پر نہایت اہم دستاویز تیار کر کے پریشان حال دماغوں کے لیے ایک خضرِ راہ مہیا کر دیا ہے۔ زیرِ نظر کتاب تحقیق کے ایسے زاویوں کا لائحہ عمل ہے جس میں اظہارِ علم و فکر کے اصولوں کو مع ان کی جزئیات کے مرتب کیا گیا ہے۔ جس میں ایک محقق اپنے نظریے اور موقف کو پختہ اور ٹھوس دلائل و استشہادات سے ایسی ثقاہت وصحت عطا کر سکتا ہے جو حقائق کی تلاش و جستجو کی تمام منزلوں کی امین ہوتی ہے۔ ڈاکٹر صاحب کی شبانہ روز محنت ان کی علمی صلاحیت اور استخراجی قوت کو اظہارِ بیان تک لے آئی ہے۔ اظہارِ بیان کا یہ نقشِ اول ''اصول تحقیق'' نقشِ ثانی کی انفرادیت کا پتا دیتا ہے۔ سطحِ ھل من مزید پر ابھرنے والے اس نقش کو میں ''تشخصِ تحقیق کا جمود شکن'' قرار دیتا ہوں اور اُمید کرتا ہوں کہ اس سطحِ الہام پر ابھرنے والا ہر نقش شترہائے تحقیق کا حدی خوان ثابت ہوگا۔ تشنگانِ علم کی سماعتیں ان کے سروشِ خامہ پر نظریں جمائے گوش برآواز ہیں۔

میرزا امجد رازی
سابق ریسرچ آفیسر محی الدین اسلامی یونیورسٹی
نیریاں شریف، آزاد کشمیر

مقدمہ

الحمد للہ رب العالمین و الصلاۃ و السلام علی سید الانبیاء
و المرسلین، و علی الہ و صحبہ الغر المحجلین السادۃ۔

تحقیق ایک جامع، نازک، مربوط اور مسلسل عمل ہے اور یہ ایک کٹھن و مشکل سفر بھی ہے، جو محقق سے شدید صبر اور طولِ فکر کا متقاضی ہے۔

تحقیق ابتدائے آفرینش سے ہی تخلیقِ انسانی کے اجزاء کا جزوِ لاینفک ہے۔ عَلّم آدم الاسماءَ پر غور کریں تو اسماء اشیاء کا علم وجود و ماہیتِ اشیاء کے علم کی جستجو و تحقیق میں سرگرداں نظر آتا ہے، پھر حقیقت اور ماہیت کا علم وجودِ اشیاء کے حدوث و قدم کے علم کا متلاشی نظر آتا ہے۔ پھر حدوث و قدم کا علم فکرِ انسانی کی کسی نہ کسی منزل کی طرف راہنمائی کرتا ہے۔ جب اشیاء کی حقیقت و ماہیت اور حدوث و قدم کے علم کی تحصیل کے لیے فکریں میدانِ تحقیق میں اپنے گھوڑے دوڑاتی ہیں تو کچھ "یضلّ بہ کثیرا" کے جنگلوں میں بھٹک جاتی ہیں اور کچھ فکریں ایسی بھی ہوتی ہیں جو "یھدی بہ کثیرا" کے صاف شفاف چشموں پر پہنچ کر اپنی تشنہ لبی کو دور کرتی ہیں۔ گویا تحقیق پرت در پرت علم کے باریک ریشمی پردوں میں لپٹی ہوئی ایک دھات کا نام ہے جس کی وجہ سے صیقل چیزیں کند بھی ہو سکتی ہیں اور کند چیزیں صیقل بھی ہو سکتی ہیں، بات صرف استعمال کی ہے! یہی وجہ ہے کہ علمائے اصولیین نے جہاں علمِ تفسیر، حدیث، فقہ اور کئی دیگر علوم کے اصول مرتب کیے، وہیں فکرِ انسانی کی رہنمائی کے لیے تحقیق کے اصول و ضوابط کو بھی ایک منظم شکل دی ہے تا کہ حسی و غیر حسی چیزیں،

مشاہدات و وجدان کی میزان میں یوں تلتی چلی جائیں کہ سرِ مو بھی فرق نہ آئے اور فکرِ انسانی اپنے صحیح التعین علم کی بنیاد پر بہتر سے بہتر نتائج کو حاصل کرتی رہے۔ یہ کتاب بھی تحقیق کے انہی اصولوں پر مرتب کی گئی ہے۔

میں گذشتہ پندرہ سال سے تعلیم و تربیت کے شعبہ سے منسلک ہوں اس دوران میں نے محسوس کیا کہ طلبہ کا علمی درجہ اور مقام کچھ بھی ہو، جوں ہی مقالہ تحریر کرنے کا مرحلہ آتا ہے، انہیں مشکلات کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ اس لیے کہ ہر ادارہ کا اپنا فارمیٹ ہوتا ہے اور بحیثیت مجموعی ہم منصوبہ بندی اور مناہجِ مخصوصہ کو ملحوظِ خاطر رکھنے اور اپنانے کے عادی بھی نہیں رہے، دوسرا یہ کہ اصولِ تحقیق کی کتب بھی کم ہیں اور ان میں طوالت بھی ہے اور بہت سی مصطلاحات باوجود توضیح وتشریح کے قابلِ وضاحت ہیں، جس سے طلبہ کی مشکلات میں اضافہ ہوتا ہے۔ اسی بات کے پیش نظر ڈین فیکلٹی آف اسلامک واورینٹل لرننگ پروفیسر ڈاکٹر محمد ہمایوں عباس شمس نے خواہش کا اظہار کیا اور مجھے اصولِ تحقیق پر لکھنے کے لیے فرمایا۔ میں نے اُن کی خواہش کے احترام میں سرِ تسلیم خم کیا اور ارادہ کیا کہ ایک مختصر مگر جامع کتاب تصنیف کروں۔ تو اللہ تعالیٰ نے مجھے اس میں کامیابی عطا فرمائی اور یہ کامیابی اس کتاب مسمیٰ ''اصول تحقیق'' کی صورت میں منظرِ عام پر آرہی ہے۔ اس پر میں ذاتِ باری تعالیٰ کا انتہائی شاکر وممنون ہوں۔

یہ کتاب گیارہ ابواب پر مشتمل ہے ہر باب کے آخر میں وہ کتب بھی مذکور ہیں جن سے طلبہ مزید استفادہ کر سکتے ہیں، تاکہ اپنی علمی پیاس بجھا سکیں۔ میرے پیشِ نظر صرف اور صرف طلبہ کی آسانی ہی تھا، جس کے لیے میں نے عربی، فارسی، اردو اور انگریزی کتب سے استفادہ کیا تاکہ طلبہ کی ذہنی خلش دور ہو سکے اور وہ اس فنی موضوع کو آسانی سے سمجھ سکیں۔
اس کام کی تکمیل میں علمی معاونت پر تمام معاونین کا بلا تفریق شکر گزار ہوں۔ اس موقع پر میں اپنے تمام اساتذہ خصوصاً پروفیسر ڈاکٹر محمد اسحاق قریشی اور پروفیسر ڈاکٹر آغا محمد سلیم اختر

کا انتہائی شاکر، ممنون اور احسان مند ہوں، جن کی قدم بوسی سے ناچیز اس قابل ہوا اور اسی طرح میں اپنے والدین کریمین کا بھی دل کی اتھاہ گہرائیوں سے بھی شکر گزار ہوں جن کی شبانہ روز کاوشوں، عنایتوں اور شفقتوں سے یہاں تک پہنچا۔ اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ ہمیں نافع علم سیکھنے اور اسے منتقل کرنے کی سعادت وتوفیق عطا فرمائے۔ آمین!

بجاہ النبی الکریم صلی اللہ علیہ وعلی الہ واصحابہ اجمعین۔

طالب دعاء

ڈاکٹر افتخار احمد خان

اسسٹنٹ پروفیسر، شعبہ علوم اسلامیہ وعربی
گورنمنٹ کالج یونیورسٹی، فیصل آباد

تحقیق، تحقیق کار اور نگران

اہداف و مقاصد:

اس باب کے مطالعہ کے بعد آپ اس قابل ہو سکیں گے کہ:

۱۔ تحقیق کا مفہوم و اہمیت جان سکیں۔

۲۔ تحقیق کے بنیادی مقاصد پر گفتگو کر سکیں۔

۳۔ محقق کے اوصاف اور نگران مقالہ کے خصائص و ذمہ داریاں جان سکیں۔

تحقیق کا مفہوم:

تحقیق عربی زبان کا لفظ ہے جو باب تفعیل سے مصدر ہے اس کے اصلی حروف ''ح ق ق'' ہیں۔حق کا معنی ہے سچ جو کہ باطل کا متضاد ہے جبکہ تحقیق سے مراد ہے:

''إحقَاقُ الحَقِ وإرَاءَةُ الحَقَائِقِ کَمَا ھِیَ''

یعنی حق کو ثابت کرنا اور حقائق کو اسی طرح منظر عام پر لانا جیسے وہ ہوں۔

عربی میں تحقیق کے لیے لفظ ''بحث'' انگریزی میں ریسرچ (Research)، فارسی میں ''پژوھش''، اردو میں ''تحقیق'' اور ھندی میں اس کے لیے ''انوسندھان'' کا لفظ استعمال ہوتا ہے۔جب ہم ان مختلف الفاظ کے لغوی مفاہیم جاننے کی کوشش کریں تو ان میں کھوج، تفتیش، دریافت، چھان بین، تلاش، اور کسی چیز تک رسائی کے معانی پائے جاتے ہیں۔

تحقیق کا اصطلاحی مفہوم:

علمائے تحقیق اور اصحاب علم و دانش نے تحقیق کے اصطلاحی مفہوم کو اپنے اپنے ذوق اور

بصیرت کے مطابق مختلف انداز و اسالیب میں بیان کیا ہے چند ایک تعریفات درج ذیل ہیں:

ڈاکٹر گیان چند تحقیق کی تعریف و توضیح کرتے ہوئے کہتے ہیں:

"گویا ریسرچ (تحقیق) ایک حقیقت پنہاں یا حقیقت مبہم کو افشا کرنے کا باضابطہ عمل ہے"۔

قاضی عبدالودود کہتے ہیں:

"تحقیق کسی امر کو اس کی اصلی شکل میں دیکھنے کی کوشش ہے۔"

اسی طرح معروف محقق ڈاکٹر غازی عنایت کے نزدیک علمی تحقیق سے مراد: منظم جستجو اور ایسی کھوج ہے جس میں علمی حقائق کے لیے طے شدہ اسالیب اور علمی مناہج اختیار کئے جائیں اور جس سے مقصود علمی حقائق کی صحت کی تحقیق، ان میں ترمیم یا ان میں اضافہ ہے۔

جبکہ کتاب "اَلْمُرْشِدُ فِی کِتَابَۃِ الأَبْحَاثِ" میں علمی تحقیق کی تعریف یوں کی گئی ہے:

"کسی خاص موضوع سے متعلق ان تمام دستیاب معلومات کو سلیقے سے جمع کرنا جو محقق کی دسترس میں ہوں اور انہیں ایسی جدید و نئی شکل میں ترتیب دینا جو سابقہ معلومات کی تائید کرے یا وضاحت یا عمدگی میں ان سے بہتر ہو۔"

جارج مولے کے مطابق:

"تحقیق ایک ایسے عمل کا نام ہے جس میں مسائل کے بارے میں باضابطہ منصوبہ کے تحت معلومات جمع کر کے ان کا تجزیہ اور تشریح کی جاتی ہے تاکہ ان مسائل کا با اعتبار حل معلوم کیا جا سکے"۔

بہ قول ڈاکٹر محمد اسحاق قریشی:

"تحقیق قوت ارادی کے ساتھ تلاش کا عمل جاری رکھنے، حقائق کا جائزہ لینے اور ان کے اثرات معلوم کرنے کا نام ہے۔"

مذکورہ تعریفات کے مطالعہ کے بعد ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ تحقیق سے مراد:

"اصول تحقیق کو ملحوظ خاطر رکھتے ہوئے کسی بھی طے شدہ و معین میدان میں ایسی منظم کوشش جس کا مقصد حقائق کی تلاش اور اصولوں کی دریافت ہے جو انسانی مصلحت کی خاطر ہو۔"

اسی طرح تعلیمی اداروں اور جامعات میں ہونے والی علمی تحقیق سے مراد:

علمی و ادبی موضوعات میں سے کسی نئے موضوع کا انتخاب کر کے اس کی حقیقت تک رسائی کے لیے اس پر اصول تحقیق کو ملحوظ خاطر رکھتے ہوئے مقالہ تحریر کرنا اور عمدہ و اچھوتے نتائج مرتب کرنا ہے۔

نوٹ: چونکہ عربی میں تحقیق کے لیے "بحث" کا لفظ مستعمل ہے اس لیے مذکورہ تمام تعریفات بحث کی ہیں جبکہ عربی میں تحقیق کے اصطلاحی مفہوم سے مراد Editing the manuscript مخطوطات/قلمی نسخوں کی تدوین ہے۔

اہمیت تحقیق:

جدید دور تحقیق و جستجو کا دور ہے چونکہ تحقیق حقائق کا ازسرنو جائزہ لے کر نئے نتائج تک پہنچنے کی کوشش کا نام ہے یہی وجہ ہے کہ تحقیق کی تاریخ بہت ہی قدیم ہے اور اس کا دروازہ اس وقت تک کھلا رہے گا جب تک انسانی عقل فکر و عمل میں مصروف رہے گی۔ موجودہ مسائل کا حل اور ترقی کا راز تحقیق میں ہی مضمر ہے چونکہ ایجادات و اختراعات تحقیقات کے بغیر ممکن نہیں۔ تحقیق و جستجو ہمارے اسلاف کا طرہ امتیاز رہا ہے انہوں نے سیرت نگاری اور نقد حدیث کے لیے ایسے اصول و ضوابط وضع کیے جن کی مثال دنیا کے کسی ادب میں نہیں ملتی۔ دور حاضر کا انسان آج جن علمی، ادبی و سائنسی ترقیوں اور ایجادات سے فائدہ اٹھا رہا ہے وہ سب کی سب تحقیق کی مرہون منت ہیں۔ علم و فن کے شعبہ میں تحقیق

روح کی حیثیت رکھتی ہے چونکہ تحقیق ایک ایسا حسنِ عمل ہے جو انسان کو سوچنے اور غور وفکر پر مجبور کرتا اور اکساتا ہے یہی سوچ اور غور وفکر آگے چل کر انسانیت کی بھلائی کا سبب بنتا ہے، مختلف علوم وفنون وجود میں آتے ہیں، حقائق منکشف ہوتے ہیں، انسان کے اندر استنباط و استنتاج کی صلاحیت پیدا ہوتی ہے، انسان اچھے اور برُے، فائدہ مند اور نقصان دہ میں تمیز کرسکتا ہے، اس سے دوسروں کو آگاہ بھی کرسکتا ہے اور فائدہ بھی پہنچا سکتا ہے۔

مقاصد تحقیق:

تحقیق ایک جامع اور مسلسل عمل ہے۔ جس طرح تحقیق کی اقسام بے شمار اور ان میں تنوع ہے اسی طرح مقاصد تحقیق میں بھی تنوع ہے ان میں سے چند ایک قابل ذکر ہیں:

۱۔ تحقیق کا بنیادی مقصد حقائق کی تلاش اور معلوم حقائق کی توسیع ہے جس سے نئے خیالات کو واضح طور پر متعین کرنے اور مقاصد زندگی کو سمجھنے میں مدد ملتی ہے۔

۲۔ انسانی معاشرہ میں ہر قسم کے ثقافتی، معاشی، معاشرتی، سیاسی اور اخلاقی مسائل کا حل تلاش کرنا۔

۳۔ کسی متفرق چیز کو یکجا کرنا

۴۔ ناقص کو مکمل کرنا

۵۔ مجمل کو تفصیل سے بیان کرنا

۶۔ مطول کی کانٹ چھانٹ کرنا

۷۔ کسی بے ترتیب چیز کو مرتب کرنا

۸۔ مبہم کی تعیین وتوضیح کرنا

۹۔ غلطی کو آشکار کرنا

۱۰۔ غلط نظریے کی تصحیح کرنا

۱۱۔ مختلف امور میں موازنہ وتقابل

۱۲۔ صحیح کو غلط سے جدا کرنا

۱۳۔ تجسس اور جستجو کی دعوت

۱۴۔ ربِ کائنات کا درست اعتراف

محقق کے اوصاف:

تحقیق ایک نازک، پیچیدہ، مسلسل اور جامع عمل ہے۔ اس لیے یہ عمل اس بات کا متقاضی ہے کہ تحقیق کار بھی کئی ایک اوصاف سے متصف اور صلاحیتوں کا حامل ہو، تا کہ وہ اس عمل کو بطریق احسن انجام دے سکے۔ علماء و محققین نے مختلف حوالوں سے کامیاب محقق کے اوصاف ذکر کیے ہیں، ہم اختصار کے ساتھ کچھ ایسی صفات کا ذکر کرتے ہیں جن سے ہر محقق کو متصف، مزین اور آراستہ ہونا چاہیے۔

۱۔ سب سے پہلا اور اساسی وصف تحقیق میں میلان، دلچسپی، رغبت، ولولہ اور جہدِ مسلسل ہو کیونکہ اس کے بغیر تحقیق کا تصور بھی نہیں کیا جاسکتا اور کامیابی کا سوچا بھی نہیں جاسکتا۔

۲۔ تحقیق چونکہ مسلسل اور جامع عمل ہے اس لئے محقق کے اندر بے صبری اور عجلت نہ ہو بلکہ شدید صبر اور طولِ فکر اس کے مزاج کا حصہ ہو، چونکہ اکتاہٹ اور بے زار پن تحقیق کے لیے نقصان دہ اور رکاوٹ ہے جبکہ تحقیق صبر ہی صبر ہے۔

۳۔ محقق کے لیے ضروری ہے کہ وہ معتدل اور میانہ رو ہو تا کہ افراط و تفریط اور مبالغہ آرائی سے بچ سکے، کیونکہ مبالغہ آرائی اور جذباتیت تحقیق کو داغدار بنا دیتی ہے۔

۴۔ محقق علمی غرور و تکبر سے اجتناب کرے، منکسر المزاج ہو، تواضع اور عاجزی سے کام لے چونکہ یہ ایسا وصف ہے جو انسان کے رتبہ کو بڑھاتا ہے۔ کہا جاتا ہے کہ:

"اَلْأَدَبُ یَرْفَعُ الْخَامِلَ"

۵۔ محقق کے لیے لازمی ہے کہ وہ علمی دیانت داری اور حق گوئی کا مظاہرہ کرے اور

سرقہ سے بچے، چونکہ سرقہ علمی ترقی میں رکاوٹ، خلل اور بگاڑ کا باعث ہے۔

۶۔ ضد اور ہٹ دھرمی سے اجتناب کرے، اپنا موقف صحیح اور درست دلائل و حقائق معلوم ہونے کے بعد تبدیل کرنے میں ہچکچاہٹ محسوس نہ کرے اور اگر کوئی چیز نہ جانتا ہو تو یہ کہنے میں عار محسوس نہ کرے کہ میں نہیں جانتا۔

۷۔ محقق جفاکش اور ڈٹ کر محنت کرنے کا عادی ہو چونکہ تحقیق محقق سے جفاکشی، جہدِ مسلسل اور ڈٹ کر محنت کرنے کا تقاضا کرتی ہے اور یہی کامیابی کا راز ہے۔

۸۔ محقق کی موضوع پر گرفت مضبوط ہونی چاہیے بغیر دلیل اور ثبوت کے کوئی بات تسلیم نہ کرے، چونکہ تلاش حق میں اس کی بہت اہمیت ہے۔

۹۔ محقق کا مطالعہ بہت وسیع ہونے کے ساتھ ساتھ تنقیدی نظر اور علم میں رسوخ اور پختگی بہت ضروری ہے، تاکہ عمدہ، اچھے، بہتر اور اچھوتے نتائج حاصل کر سکے۔

۱۰۔ محقق بیدار، مستعد، منطقی ذہن اور استفہامی مزاج کا حامل ہو، تاکہ درست نتائج حاصل کر سکے۔

۱۱۔ غیر جانبدار اور انصاف پسند ہو۔ ذاتی پسند یا نہ پسند کو علمی نتائج کی راہ میں رکاوٹ نہ بننے دے۔

۱۲۔ محقق غیر مقلد مزاج کا حامل ہو، کیونکہ تحقیق میں تقلید حرام ہے اور یہ دو متضاد چیزیں ہیں۔

۱۳۔ محقق کا اندازِ بیان صاف، واضح، صریح اور سادہ ہو، تاکہ قاری اس کی تحقیق سے بھرپور استفادہ کر سکے۔

۱۴۔ محقق اخلاقی جرأت و ہمت کا پاسدار اور پابند ہو، کہ کہیں کسی کا خوف و ڈر اس کو حق گوئی سے باز نہ رکھے۔

۱۵۔ غیر مدلل آراء سے اجتناب و احتیاط کرے، چونکہ علمی نتائج پر اس کے بہت بُرے

اثرات مرتب ہوتے ہیں۔

۱۶۔ محقق ضعیف الاعتقاد نہ ہو، توہمات اور خرافات سے بچنے اور نکلنے کی صلاحیت رکھتا ہو۔

۱۷۔ محقق نظم ونسق اور تنظیم وترتیب کی صلاحیت رکھتا ہو، تاکہ مطلوبہ نتائج بہتر انداز سے حاصل کر سکے۔

نگران تحقیق (Supervisor) کے اوصاف وذمہ داریاں:

جس طرح محقق کے لیے چند ضروری اوصاف سے متصف ہونا اور صلاحیتوں کا حامل ہونا ضروری ہے، اسی طرح نگران تحقیق کے لیے بھی لازم ہے کہ وہ بھی کئی ایک اوصاف و خصائص سے متصف ہو، چونکہ یہ دونوں ہی لازم وملزوم ہیں ایک کے بغیر دوسرا کماحقہ نتائج حاصل نہیں کر سکتا۔ بلکہ نگران مقالہ کے لیے ضروری ہے کہ وہ ان اوصاف سے نہ صرف متصف، بلکہ تحقیق کے میدان کا ماہر ہو اور گرانقدر خدمات سرانجام دے چکا ہو۔ نگران مقالہ کے اوصاف وذمہ داریاں درج ذیل ہیں:

۱۔ نگران کا مزاج تحقیقی اور تنقیدی اور محنت کے جذبہ سے سرشار ہو۔

۲۔ مطالعہ وسیع اور علوم ومعارف میں رسوخ اور پختگی ہو۔

۳۔ محقق کی راہنمائی کے ساتھ ساتھ حوصلہ افزائی بھی کرنی چاہیے، تاکہ تحقیقی عمل میں دلچسپی اور کام کرنے کی لگن برقرار رہے۔

۴۔ نگران محقق طالب علم کو اختلاف رائے کی آزادی بھی دے۔

۵۔ نگران اپنی تحریری اہلیت سے فائدہ نہ پہنچائے بلکہ صرف رہبری وراہنمائی کا فریضہ انجام دے۔

۶۔ نگران اور اسکالر کے مابین فکری ہم آہنگی ہونی چاہیے۔

۷۔ محقق طالب علم کے ساتھ خیر خواہی کا جذبہ ہو، نہ زیادہ سختی اور نہ زیادہ نرمی

کرنی چاہیے۔

۸۔ نگران مقالہ کے لیے لازمی وضروری ہے کہ وہ صرف اُن مقالات وعلمی کاموں کی نگرانی قبول کرے جو اس کی دلچسپی اور میلان طبع کے مطابق ہوں، بصورت دیگر وہ نگرانی اور رہبری کا حق ادا نہ کر پائے گا۔

۹۔ اپنی ذاتی آراء اور پسند وناپسند کو محقق پر مسلط کرنے سے اجتناب کرنا چاہیے۔

۱۰۔ محقق کے لیے طالب علم کے ساتھ طے کئے جانے والے مقررہ اوقات کا خیال رکھنا ضروری ہے سمجھے، تاکہ طالب علم کے اندر بھی احساس ذمہ داری پیدا ہو۔

۱۱۔ ایسے کاموں کی حوصلہ شکنی کی جائے جو استاد کی رسوائی اور بے توقیری کا باعث بنیں۔

۱۲۔ ریسرچر کی علمی مشکلات ومسائل کو حل کرنے کی حتی المقدور کوشش کی جائے۔

۱۳۔ زیر نگرانی کام پر ہونے والی جدید تحقیقات سے آگاہی بھی بہت ضروری ہے، تاکہ اچھوتے اور مبتکر نتائج حاصل کیے جاسکیں۔

مجوزہ کتب برائے استفادہ ومطالعہ:

۱۔ تحقیق کا فن، از گیان چند، مقتدرہ قومی زبان، اسلام آباد پاکستان۔

۲۔ اردو میں اصول تحقیق، مرتبہ ڈاکٹر ایم سلطانہ بخش، مقتدرہ قومی زبان، اسلام آباد۔

۳۔ عربی، اسلامی علوم اور سوشل سائنسز میں تحقیق وتدوین کا طریقہ کار، از ڈاکٹر خالق داد ملک، اورینٹل بکس لاہور۔

۴۔ تحقیق اور اصول وضع اصطلاحات، مرتب اعجاز الٰہی، مقتدرہ قومی زبان، اسلام آباد

۵۔ مجلہ تحقیق، شعبہ اردو، سندھ یونیورسٹی، جام شورو۔

۶۔ اصول تحقیق، مقالہ، قاضی عبدالودود، شعبہ اردو لکھنؤ یونیورسٹی۔

۷۔ المرشد فی کتابة الابحاث للدكتور حليمی محمدفوده، عبدالله، وعبدالرحمن صالح، طبع ٦، جده: دار الشروق ۱۹۹۲م

۸۔ إعداد البحث العلمي: ليسانس، ماجستير، دكتوراه، للدكتور غازي عناية، مؤسسة شباب الجامعة، الاسكندرية

۹۔ البحث العلمي تطوره ومناهجه، للدكتور الحافظ عبدالرحيم، مجمع البحوث العربية، ملتان، ۲۰۰۵.

سوالات:

۱۔ تحقیق ایک باضابطہ عمل ہے اس کی روشنی میں تحقیق کی اہمیت ومقاصد بیان کیجئے۔

۲۔ وہ کون سی صفات ہیں جن سے محقق کو متصف ہونا چاہیے؟

۳۔ نگران مقالہ کے خصائص اور ذمہ داریاں کیا ہیں؟ وضاحت کیجئے۔

۴۔ کسی ایسے محقق کی نشاندہی کیجیے جس میں ایسی صفات ہوں جو محقق کے لیے بہت ہی ضروری ہیں؟

•••

تحقیق کی اقسام اور مناہجِ تحقیق

اہداف و مقاصد:

اس باب کے مطالعہ کے بعد آپ اس قابل ہوسکیں گے کہ:

ا۔ تحقیق کی مختلف اقسام اور مناہج تحقیق آپ کے علم کا حصہ بن سکیں، خاص طور پر ان مناہج کو زیر بحث لایا جائے گا جو علمی و ادبی تحقیقات میں استعمال کئے جاتے ہیں گویا آپ۔

(i) تحقیق کے لیے طریقہ کار کا انتخاب کرسکیں۔

(ii) تحقیقات کی طبیعت و مزاج سے آگاہ ہوسکیں۔

تحقیق کی اقسام:

بنیادی طور پر تحقیق کی دو ہی قسمیں ہیں ایک نظریاتی تحقیق (Theoretical Research) اور دوسری اطلاقی (Applied Research) باقی سب قسمیں انہی دو اقسام کی انواع ہیں۔

نظریاتی تحقیق (Theoretical Research):

اس تحقیق کو خالص تحقیق (Pure Research) بھی کہتے ہیں جس کا مقصد علم برائے علم یعنی معلومات کا دائرہ وسیع کرنا ہے اس تحقیق میں کسی مسئلہ یا موضوع کی حقیقت تک رسائی کے لیے کوشش کی جاتی ہے تاکہ کوئی نظریہ قائم ہو سکے، اس کے عملی فوائد اور اطلاق مقصود نہیں ہوتا۔ اس تحقیق کا دائرہ کار بہت وسیع ہوتا ہے اور عموماً علوم انسانیہ (Humanities) سے تعلق رکھنے والے موضوعات اس میں شامل ہیں۔

اطلاقی تحقیق(Applied Research):

اطلاقی یعنی عملی تحقیق نظریاتی تحقیق سے قدرے مختلف ہوتی ہے۔نظریاتی تحقیق سے حاصل شدہ نظریہ یا کسی مسئلہ کی حقیقت کو عملی شکل میں دیکھنے یا عملی جامہ پہنانے کی کوشش کی جاتی ہے، بالفاظ دیگر حاصل شدہ نتائج کو پرکھا جاتا ہے، خواہ وہ قابل عمل ہوں یا نہ۔اس تحقیق کا انحصار عموماً تجرباتی منہج پر ہوتا ہے۔

اسی طرح تحقیق کی دیگر اقسام کو علماء و محققین نے موضوعات، مصادر، مدت، اثرات، مناہج، مقاصد، محققین کی تعداد، اخراجات، مستوی و معیار تحقیق کے اعتبار سے بھی تقسیم کیا ہے۔جبکہ گیان چند نظریاتی اور اطلاقی اقسام ذکر کرنے کے بعد کہتے ہیں:

> ''موضوع کو نظر انداز کر دیں تو تحقیق کی دو قسمیں کی جا سکتی ہیں، جو ادب ہی سے مخصوص نہیں بلکہ کسی بھی علم و فن کے لیے درست ہیں (وہ ہیں) سندی اور غیر سندی......''

تحقیق کی دیگر اقسام جن کا علوم انسانیہ سے تعلق ہے درج ذیل ہیں:

درجہ/مستوی(Levels) کے اعتبار سے تحقیق کی اقسام:

معیار/مستوی سے مراد ایسی تحقیق جو دوران تعلیم و تعلم مختلف درجات یعنی جماعتوں میں کی جاتی ہے۔اس اعتبار سے تحقیق کی چار قسمیں ہیں اور یہ سندی تحقیق کے زمرہ میں بھی آتی ہیں:

ا۔تحقیق صفی/فصلی(Class Level Research):

یہ تحقیقی کام دوران کلاس/دوران سمیسٹر طلبہ سے کرایا جاتا ہے جس کا مقصد اصول تحقیق سے شناسائی اور طلبہ کو تدریب کروانا ہے، تاکہ وہ مقالہ لکھنے کے قابل ہو جائیں اور ان کی صلاحیتوں میں نکھار پیدا ہو۔

۲۔ایم۔اے کے درجہ کی تحقیق(M.A.Thesis):

یہ تحقیق فصلی تحقیق (Class Assignment) سے اعلی درجہ کی ہوتی ہے بنیادی طور پر یہ تحقیق طالب علم کی ذہانت اور استعداد کا امتحان ہے، تا کہ اس کو اگلے مرحلہ کے لیے تیار کیا جائے۔ اور اس تحقیق کا مقصد نئے علوم وفنون اور معلومات کو سیکھنا، سمجھنا اور دوسروں تک پہنچانا ہے۔

۳۔ایم فل کے درجہ کی تحقیق (M.Phil Level Research):

یہ تحقیق ایم اے کے بعد اور پی ایچ ڈی سے پہلے ایم فل کی ڈگری کے حصول کے لیے کی جاتی ہے، جس میں محقق سے تقاضا کیا جاتا ہے کہ وہ اصول تحقیق میں پختہ وراسخ ہو، جدید، اچھوتے اور مبتکر نتائج پیش کرے، تا کہ علمی و تحقیقی دنیا میں ایک اچھا اور عمدہ اضافہ ہو۔

۴۔پی ایچ۔ڈی کے درجہ کی تحقیق (Ph.D Level Research):

اس درجہ کی تحقیق سب درجات سے اعلی وعمدہ اور معیاری تصور کی جاتی ہے۔ پاکستان میں سندی تحقیق کا یہ اعلی ترین درجہ ہے جس میں تخلیق وابتکار ضروری ہے اس درجہ میں تحقیق کار کو اس میدان کا ماہر اور دلیل تصور کیا جاتا ہے۔

محققین کی تعداد کے اعتبار سے تحقیق:

اسی طرح محققین کی تعداد کے اعتبار سے بھی تحقیق کی اقسام ہیں، مثال کے طور ایسی تحقیق بھی ہوتی ہے جس کو صرف ایک محقق مکمل کرتا ہے اس کو انفرادی تحقیق (Single person Research) کہتے ہیں اور بعض تحقیقات ایسی بھی ہوتی ہیں جن کو دو یا دو سے زائد محقق مل کر مکمل کرتے ہیں، ایسی تحقیقات کو مشترکہ تحقیق (Team Research) کہتے ہیں۔

ذریعہ معلومات کے اعتبار سے تحقیق کی اقسام:

علماء و محققین معلومات کے ذریعہ Source of Knowledge کے اعتبار سے

بھی تحقیق کو دو اقسام میں تقسیم کرتے ہیں ایک لائبریری تحقیق (Library Research) اور دوسری میدانی تحقیق (Field Research)۔ لائبریری تحقیق سے مراد ایسی تحقیق ہے جس کے مواد کا انحصار کتابوں میں موجود معلومات پر ہوتا ہے اور محقق لائبریری سے بھرپور استفادہ کرتا ہے، جبکہ میدانی تحقیق میں مواد و معلومات کا انحصار موقع و محل اور میدان تحقیق پر ہوتا ہے محقق مختلف لوگوں سے انٹرویو اور سوال کرتا ہے اور پھر خود ان حاصل شدہ معلومات سے نتائج استنباط کرتا ہے۔

مناہجِ تحقیق:

مناہج منہج کی جمع ہے منہج کے لیے انگریزی میں Method کا لفظ جبکہ اردو میں اصول/طریقہ کا لفظ مستعمل ہے، جسے محقق کسی حقیقت کی تلاش کے لیے تحقیق میں استعمال کرتا ہے۔

منہج کا لفظ عربی میں مستعمل ہے لیکن اپنے اصطلاحی مفہوم میں اس کا استعمال سترہویں صدی کے آغاز میں فرانسیس بیکن (Farancis Bacon) نے کیا۔ دور حاضر خاص طور پر جامعات میں کی جانے والی تحقیق کے لیے محقق سے مطالبہ کیا جاتا ہے کہ وہ منہجِ تحقیق کی بھی وضاحت کرے جو اس نے دوران تحقیق استعمال اور اختیار کرنا ہے۔ مناہج کا تعلق منطق، طریق استدلال اور استنباط نتائج سے ہے ایک علم کے مناہجِ تحقیق دوسرے علم کے مناہج تحقیق سے مختلف ہوتے ہیں مثلاً ادب کے اپنے مناہج ہیں، لغت کے اپنے، تاریخ کے اپنے اور ریاضی کے اپنے مگر منہجیت عموماً ایک جیسی ہوتی ہے۔

نظریاتی تحقیق میں عموماً وصفی، عقلی، نقلی، منطقی استقرائی، تحلیلی، تقابلی، استنباطی و استخراجی مناہج اختیار کیے جاتے جبکہ اطلاقی تحقیق میں عام طور پر تجرباتی منہج اختیار کیا جاتا ہے معروف مناہجِ تحقیق یہ ہیں۔

وصفی منہج (Descriptive Method):

ایسا طریقہ کار جس میں حوادثات یا معین اشیاء کے اوصاف ذکر ہوں، تاکہ ان

حوادثات یا اشیاء کی اصل حقیقت معلوم ہو سکے۔ اس میں مقصود کے حصول کے لیے تمام حقائق، معلومات اور ملاحظات کو جمع کیا جاتا ہے۔

تقابلی منہج (Comperative Method):

ایسا طریقہ کار جس میں محقق علوم انسانیہ میں مقارنہ وموازنہ کرتا ہے۔ یہ مقارنہ ایک علم کے مثبت یا منفی پہلوؤں کے مابین بھی ہو سکتا ہے یا دو مختلف علوم کے مابین بھی۔

تجرباتی منہج (Experimental Method):

ایسا طریقہ کار جس میں آپ کسی چیز کو ملاحظہ کرنے یا تجربہ کے بعد ثابت کرتے ہیں۔ یہ طریقہ زیادہ تر سائنسی علوم میں اختیار کیا جاتا ہے۔

شماریاتی منہج (Statistical Method):

ایسی تحقیق جس کی تکمیل کے لیے شماریاتی منہج اختیار کیا گیا ہو، اس قسم کی تحقیق کے مواد کا انحصار Data Base پر ہوتا ہے۔

تکاملی منہج (Integral Method):

ایسی تحقیق جس میں ایک سے زائد مناہج اختیار کیے گئے ہوں۔

وجدانی منہج (Intutive Approach/Method) :

یہ وہ طریقہ ہے جس میں معارفِ تصوف اور عرفانی افکار تک پہنچنا مقصود ہو اس کا انحصار روحانی ریاضت پر ہوتا ہے۔

عقلی منہج (Rational Method):

یہ وہ طریقہ ہے جس کا مقصود افکار اور عقلی مبادی واصول کا مطالعہ ہے اس کا انحصار علم منطق کے قواعد اور اصولوں پر ہوتا ہے۔

نقلی منہج (Traditional Method):

نصوص منقولہ کے مطالعہ کے طریقہ کار کو کہتے ہیں۔ اس کا انحصار درج ذیل عناصر پر

ہوتا ہے:

(i) اسنادِ نص اور قائل کی توثیق (ii) سلامت نص کی تحقیق (iii) مدلولات نص کی فہم

مجوزہ کتب برائے استفادہ ومطالعہ:

★ اصول البحث، الدکتور عبدالهادی فضلی، مؤسسة دارالکتاب الاسلامی، قم، ایران

★ اصول البحث العلمي و مناهجه، الدکتور احمدبدر، و کالة المطبوعات، الکویت، ۱۹۸۲م

☆ تعلیمی تحقیق، از ڈاکٹر احسان اللہ خان، بک ٹریڈرز، لاہور۔

☆ ادبی تحقیق کے اصول، تبسم کاشمیری، مقتدرہ قومی زبان، اسلام آباد ۱۹۸۷ء۔

☆ تحقیق کا فن، گیان چند، مقتدرہ قومی زبان، اسلام آباد، ۱۹۸۶ء۔

☆ تحقیق وتدوین کا طریقہ کار، ڈاکٹر خالق داد ملک، اورینٹل بکس لاہور ۲۰۱۲ء۔

☆ Methods of Research, Educational, Psychological, Sociological, by Good, C.V. and Scates, New York, 1954.

سوالات:

۱۔ تحقیق کے لیے منہج وطریقہ کار کا انتخاب کیسے کریں گے؟ وضاحت کیجئے۔

۲۔ تحقیق کی بنیادی اقسام کون کون سی ہیں؟

۳۔ تحقیق کی وہ کون سی اقسام ہیں جن کا تعلق علوم انسانیہ سے ہے؟

۴۔ معروف مناہج تحقیق کون کونسے ہیں؟ وضاحت کیجیے۔

۵۔ ایسی کتابوں کی نشاندہی کیجیے جو مناہجِ تحقیق کی طرف راہنمائی فرماتی ہیں؟

•••

موضوعِ تحقیق کا انتخاب اور خاکہ کی تیاری

اہداف ومقاصد:

اس باب کے مطالعہ کے بعد آپ اس قابل ہوسکیں گے کہ:

۱۔ موضوع اور عنوان میں فرق اور ان کی اہمیت کی پہچان ہو۔
۲۔ موضوع کے انتخاب کی بنیادی شرائط اور ضروری امور پر بات کرسکیں۔
۳۔ موضوع کے انتخاب وتعین کے مختلف وسائل، ذرائع اور طریقوں سے شناسائی ہو۔
۴۔ خاکہ کا مفہوم اور اس کی اہمیت جان سکیں۔
۵۔ خاکہ کی تیاری کے لیے بنیادی امور سے آگاہی اور تحقیق کے لیے خاکہ تیار کرنے کی اہلیت پیدا کرنا۔

بے شک تحقیقی کام کا مزاج عام تالیفات وتصنیفات سے بڑی حد تک مختلف ہوتا ہے۔ عام کتاب کا مؤلف مطلقاً آزاد ہوتا ہے، وہ اپنی کتاب کا جس طرح چاہتا ہے آغاز کرتا ہے اور جیسے چاہتا ہے ختم کرتا ہے اور اس میں جو مواد شامل کرنا چاہے کرسکتا ہے لیکن محقق جو علمی وتحقیقی کام کررہا ہو آزاد نہیں ہوتا اس سے ہر اس بات اور نکتہ کے بارے میں پوچھا جاتا ہے جو وہ اپنے علمی وتحقیقی کام میں ذکر کرتا ہے اور اس سے مطالبہ کیا جاتا ہے کہ وہ ہر بات یا نکتہ کے لیے ٹھوس علمی دلیل پیش کرے۔

بے شک موضوع وعنوان کا انتخاب تحقیق کے مراحل میں پہلا اور سب سے اہم مرحلہ ہے اس لیے محقق پر لازم ہے کہ انتخاب سے پہلے کئی امور ملحوظ خاطر رکھے۔ ان امور کے ذکر سے پہلے موضوع اور عنوان میں فرق سمجھنا بہت ضروری ہے۔

موضوع اور عنوان میں فرق:

موضوع کے لیے انگلش میں "Topic" کا لفظ جبکہ عنوان کے لیے "Title" کا لفظ مستعمل ہے۔ان دونوں کلمات میں عام طور پر فرق نہیں کیا جاتا لیکن ان میں بہت دقیق سا فرق ہے جس کی وضاحت کے لیے چند مثالیں ملاحظہ فرمایئے:

ایم اے، ایم فل یا پی ایچ۔ڈی کی سطح پر طلبہ تحقیقی کام کرتے ہیں مثال کے طور پر انہوں نے اپنے اپنے مقالات کے لیے درج ذیل عناوین انتخاب کیے:

۱۔ مجدد الف ثانی کے تفسیری نکات۔ایک تحقیقی جائزہ۔

۲۔ رؤیت ہلال کے عصری مسائل اور ان کا حل

۳۔ شیخ ہاشم ٹھٹھوی بطور سیرت نگار

۴۔ تفسیر رؤوفی کے منہج و اسلوب کا تحقیقی جائزہ۔

۵۔ حضرت حسان بن ثابت بطور شاعر۔ایک تحقیقی جائزہ۔

۶۔ علامہ عبدالعزیز میمن بطور جدید نثر نگار۔تحقیقی وتنقیدی جائزہ

۷۔ رسالہ قشیریہ کی روشنی میں صوفی ادب۔ایک تجزیاتی مطالعہ

اب ہم ایک ایک کر کے ان عناوین میں غور وفکر کرتے ہیں۔تاکہ عنوان اور موضوع کے مابین فرق واضح ہو جائے۔

سب سے پہلا مقالہ جس کا طالب علم نے انتخاب کیا اس کا عنوان ہے:

''مجدد الف ثانی کے تفسیری نکات ایک تحقیقی جائزہ''۔

یعنی الفاظ کا ایسا مجموعہ جو اس نے اپنی تحقیق کے لیے منتخب کیا اسے عنوان کہتے ہیں جبکہ اس عنوان میں غور کریں تو پتا چلتا ہے کہ یہ تفسیر کے متعلق ہے تو ''تفسیر'' اس کا موضوع ہے۔

دوسرے نمبر پر جس مقالہ کا نام لکھا گیا وہ ہے:

''رؤیت ہلال کے عصری مسائل اور ان کا حل''

یہ عبارت جو ہمارے سامنے ہے یہ مقالہ کا عنوان ہے جبکہ یہ فقہ کے متعلق ہے اس

لیے فقہ اس کا موضوع ہے۔

تیسرے نمبر پر مقالہ کا عنوان مذکور ہے:

''شیخ ہاشم ٹھٹھوی بطور سیرت نگار''

یہ مذکورہ عبارت مقالہ کا عنوان ہے چونکہ یہ سیرت کے متعلق ہے اس لیے سیرت اس کا موضوع ہے۔

اسی طرح چوتھے نمبر پر جو مقالہ ہے اس کا عنوان ہے:

''تفسیر روٴفی کے منہج واسلوب کا تحقیقی جائزہ''

یہ عبارت جو محقق نے اپنے مقالہ کے لیے منتخب کی یہ اس کے مقالہ کا عنوان ہے جبکہ یہ مقالہ تفسیر کے متعلق ہے تو تفسیر اس کا موضوع ہے۔

پانچویں نمبر پر جو مقالہ ہمارے سامنے ہے وہ ہے:

''حضرت حسان بن ثابت بطور شاعر۔ایک تحقیقی جائزہ''

یہ تحریر جو ہمارے سامنے مذکور ہے وہ مقالہ کا عنوان ہے جبکہ یہ عنوان شاعری کے متعلق ہے اس لیے شاعری اس کا موضوع ہے۔

اسی طرح چھٹے نمبر پر جس مقالہ کا نام ذکر کیا گیا ہے وہ ہے:

''علامہ عبدالعزیز میمن بطور جدید نثر نگار۔تحقیقی وتنقیدی جائزہ''

یہ عبارت مقالہ کا عنوان ہے چونکہ یہ نثر کے متعلق ہے اس لیے نثر/ادب اس کا موضوع ہے۔

جبکہ ساتویں اور آخری مقالہ کا نام ہے:

''رسالہ قشیریہ کی روشنی میں صوفی ادب ایک تجزیاتی مطالعہ''

یہ عبارت مقالہ کا عنوان ہے جبکہ یہ تصوف کے متعلقہ ہے، اس لیے تصوف وصوفی ادب اس کا موضوع ہے۔

مذکورہ توضیح کے بعد ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ:

عنوان ایک جز ہوتا ہے جبکہ موضوع کل کی حیثیت رکھتا ہے اسی طرح عنوان کسی علم یا میدان یا فن کا ایک جز یا نکتہ ہوسکتا ہے جبکہ وہ علم/میدان یا فن موضوع ہوتا ہے۔

موضوع/عنوان کے انتخاب کے طریقے:

موضوع کے انتخاب کے تین طریقے ہیں:

۱۔ محقق کا بذات خود موضوع کا انتخاب کرنا۔ یہ سب سے اچھا، موزوں، مناسب، قابل قدر اور پسندیدہ طریقہ ہے۔

۲۔ نگران استاد کی طرف سے موضوع کا انتخاب۔ یہ دوسرا اور مناسب طریقہ ہے۔ بعض اوقات یہ طریقہ بہتر ثابت ہوتا ہے اور بعض اوقات نقصان دہ۔ کیونکہ اگر محقق کی پسند یا دلچسپی کے مطابق نہ ہو تو اکتاہٹ اور عدم میلان کا باعث بنتا ہے۔

۳۔ جبکہ تیسرا اور آخری طریقہ میں شعبہ/ادارہ/جامعہ کی طرف سے منتخب کردہ عناوین پر مقالات لکھوائے جاتے ہیں اور طلبہ کو صرف انہی عناوین کو موضوعِ تحقیق بنانا ہوتا ہے۔ یہ طریقہ زیادہ مستحسن نہیں، لیکن بعض اوقات اس کے نتائج سودمند ثابت ہوتے ہیں وہ صرف اس صورت میں جب محققین طلبہ انتخابِ موضوع کی صلاحیت نہ رکھتے ہوں۔

انتخابِ موضوع کے دیگر ذرائع:

موضوع کے انتخاب کے لیے دیگر امدادی ذرائع اور وسائل بھی استعمال کیے جاسکتے ہیں چند ایک مندرجہ ذیل ہیں۔

۱۔ سب سے اہم چیز محقق کا ذاتی تجربہ اور معلومات انتخابِ موضوع میں انتہائی کارآمد اور مدد ومعاون ہوسکتا ہے۔

۲۔ مشاورت یعنی دوسروں سے گفتگو موضوع کے انتخاب میں معاون اور مفید ثابت ہو سکتی ہے، جس سے تحقیق کا سفر آسان ہوسکتا ہے۔

۳۔ تحقیقی مقالات کا مطالعہ بھی عنوان کے انتخاب میں کافی حد تک معاون ثابت ہوتا ہے۔

۴۔ ریڈیو، ٹیلی ویژن پروگراموں اور فلموں کو تنقیدی نگاہ سے دیکھنا بھی مسئلہ کے انتخاب میں آسانی پیدا کرسکتا ہے۔

۵۔ اخبارات، مجلات اور رسائل و جرائد کا مطالعہ کرنے سے بہت سے تحقیق طلب مسائل کے بارے میں معلومات مل جاتی ہیں۔

۶۔ تحقیقی مقالات کی فہارس سے بھی موضوع کے انتخاب میں مدد ملتی ہے۔

۷۔ اساتذہ و محققین کے محاضرات توجہ سے سننے سے بہت سے عناوین کے بارے معلومات ملتی ہیں جن سے موضوع کے انتخاب میں آسانی ہوسکتی ہے۔

موضوع کے انتخاب کے لیے ضروری امور اور شرائط:

موضوع کا انتخاب تحقیق کے مراحل میں پہلا اور اہم ترین مرحلہ ہے چونکہ اگر محقق اس مرحلہ میں کامیاب ہو جائے تو امید کی جاسکتی ہے کہ وہ دیگر مراحل میں بھی کامیاب ہو جائے گا، اگر اس ابتدائی اور اہم ترین مرحلہ میں ہی غلطی کر لی تو دیگر مراحل میں کامیابی کی امید باقی نہیں رہتی۔ اس لیے ضروری ہے کہ موضوع کے انتخاب میں بہت ہی دقت رسی اور باریک بینی سے کام لے اور درج ذیل امور و شرائط کو ملحوظ خاطر رکھے، تاکہ یہ مرحلہ بطریق احسن انجام پاسکے۔

۱۔ سب سے اہم اور ضروری شرط یہ ہے کہ عنوانِ تحقیق جدید، اچھوتا اور مبتکر ہو یعنی اس پر پہلے کام نہ ہوا ہو۔

۲۔ موضوعِ تحقیق میں میل و رغبت اور دلچسپی بہت ہی اہم اور بنیادی شرط ہے چونکہ محقق کی کامیابی کا انحصار اس کی دلچسپی پر ہے۔ اگر دلچسپی نہ ہوگی تو محقق اکتا جائے گا اور خاطر خواہ نتائج حاصل نہ کر سکے گا۔

۳۔ محقق ایسا موضوع اختیار کرے جس کا اس کے پاس وافر مواد ہو، چونکہ تحقیق میں ہر بات دلیل سے کی جاتی ہے بصورت دیگر وہ اس کا حق ادا نہ کر پائے گا۔

۴۔ ایسا موضوع بھی اختیار کیا جا سکتا ہے جس پر پہلے کام ہو چکا ہو۔ اس کی صرف ایک ہی صورت ہے کہ اگر محقق محسوس کرے کہ جو کام پہلے ہوا ہے وہ معیاری و مدلل نہیں ہے اور وہ اس سے اچھے عمدہ، مبتکر، جدید اور اچھوتے نتائج مرتب کر سکتا ہے۔

۵۔ کبھی کبھی اختیار کردہ عنوان کا مواد مخطوطات و قلمی نسخوں کی شکل میں ہوتا ہے، یا ایسی کتابوں میں جن کا وجود نادر و ناپید ہو، ایسی صورت حال میں اگر محقق کو یقین ہو کہ اس کی رسائی ان مخطوطات یا کتب تک ہو جائے گی، تو ایسا موضوع و عنوان انتخاب کرنے میں کوئی چیز مانع نہیں۔

۶۔ محقق پر لازم ہے کہ وہ ایسے عنوان کو موضوعِ تحقیق بنائے جو اس کی طبیعت و مزاج کے عین مطابق ہو اور اس کے پاس اس کی وافر معلومات ہوں۔ بصورت دیگر وہ تحقیق کا حق ادا نہ کر پائے گا، چونکہ علمی و تحقیقی کام محقق سے تقاضا کرتا ہے کہ موضوع کا مزاج اس کے مزاج، طبیعت اور ذوق کے عین مطابق ہو۔

۷۔ یہ بات بھی بہت ضروری ہے کہ ایسے عنوان کو موضوعِ تحقیق بنایا جائے جو معاشرے میں بگاڑ کا باعث نہ ہو، بلکہ اسے معاشرتی قبولیت حاصل ہو، تاکہ ناسازگار و غیر موافق حالات سے بچا جا سکے۔

۸۔ عنوان بہت طویل اور پھیلا ہوا نہ ہو کہ اس کا احاطہ نہ کیا جا سکے۔

۹۔ عنوان صاف، واضح اور بین ہو، اس میں کسی قسم کا ابہام نہ ہو۔

۱۰۔ تحقیقی مسئلے کے اختیار میں محقق کو وقت اور مالی مسائل کو بھی ملحوظ خاطر رکھنا چاہیے۔

۱۱۔ ایسے عناوین جن کا تعلق جذبات سے ہو اور محقق محسوس کرے کہ وہ غیر جانبداری کا مظاہرہ نہیں کر سکتا، اختیار نہ کرے۔

۱۲۔ ایسے عناوین جن میں جدت وابتکار نہ ہو ان کا انتخاب بھی نہ کیا جائے۔
۱۳۔ تحقیق کے لیے انتہائی وسیع عناوین جن کا حق ادا نہ کیا جا سکے، کے انتخاب سے احتیاط و اجتناب کرنا چاہیے اور ان کی اس انداز سے تحدید کر لینی چاہیے، کہ ان کو موضوعِ تحقیق بنایا جا سکے، تاکہ مناسب وقت میں کام مکمل ہو سکے۔
۱۴۔ اسی طرح ایسے عناوین جو بہت ہی فنی اور محدود ہوں، کو بھی موضوعِ تحقیق بنانے سے گریز کریں۔
۱۵۔ عنوانِ تحقیق مختصر مگر جامع ہو۔

ڈاکٹر ابراہیم سلامہ عنوان کی اہمیت اور دوران اختیار تدقیق و باریک بینی کا ذکر کرتے ہوئے کہتے ہیں:

"اَلعُنوَانُ کَاللّافِتَةِ ذَاتِ السَّهمِ المَوضُوعَةِ فِی أَوّلِ الطَّرِیقِ لِتُرشِدَ السَّائِرِینَ حتّٰی یَصِلُوا إلٰی هَدَفِهِم فَکَذٰلِکَ العُنوَانُ یَجِبُ أن یَدُلَّ القَارِئَ عَلٰی فِکرَةٍ صَحِیحَةٍ عَمَّا هُوَ مُقبِلٌ علیه"

عنوان سڑک کے شروع میں نصب شدہ اس تیر کی مانند ہے جو (مسافروں کی) توجہ کھینچ لیتا ہے، تاکہ مسافروں/آنے جانے والوں کی راہنمائی کرے، تاکہ وہ اپنی منزل تک پہنچ جائیں، اسی طرح عنوان بھی ایسا ہو جو قاری کی صحیح سوچ وفکر کی طرف راہنمائی کرے جس کی طرف وہ بڑھنے والا ہے۔

اسی طرح عنوان کے انتخاب کو چند شرائط سے مشروط کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ:
۱۔ عنوان زیادہ طویل بھی نہ ہو جس سے ملال واقع ہو۔
۲۔ نہ زیادہ چھوٹا ہو کہ خلل پیدا ہو۔
۳۔ اور نہ ہی غموض والا (یعنی پیچیدہ) ہو کہ انسان کو حیرت اور پریشانی میں مبتلا کردے۔

(ii) تحقیق کے لیے خاکہ کی تیاری:

خاکہ کا مفہوم واہمیت:

خاکہ کے لیے عربی میں "خُطَّة" انگریزی میں "Synopsis" یا "Research Proposal" یا Out line اور فارسی میں "طرح" یا "خاکہ" کے کلمات مستعمل ہیں۔ تحقیق چونکہ باضابطہ اور مسلسل عمل ہے، اس لیے تحقیق کا مزاج وطبیعت محقق سے متقاضی ہے کہ عنوانِ تحقیق کے انتخاب کے بعد خاکہ، نقشہ یا لائحہ عمل تیار کیا جائے چونکہ محقق تحقیقی کام میں آزاد نہیں ہوتا، اس سے ہر اس چیز کے بارے پوچھا جاتا ہے جو وہ اپنی تحقیق میں ذکر کرتا ہے یہی وجہ ہے کہ وہ ایک علمی منہج وطریقہ کار اختیار کرتا ہے۔ اور نہ اپنی تحقیق میں ایسی چیزیں ونکات شامل کرتا ہے جن کا صلب موضوع (یعنی اصل موضوع) سے کوئی تعلق نہ ہو اور اسی طرح محقق نہ ایسی چیزیں یا نکات ترک کرتا ہے جو موضوع کو سمجھنے یا وضاحت کرنے میں مدد کریں۔ لہٰذا افراط وتفریط سے بچنے کے لیے ضروری ہے کہ محقق خاکہ، نقشہ یا لائحہ عمل تیار کرے جس کے مطابق اس نے اپنے اس علمی وتحقیقی کام کو مکمل کرنا ہے۔ اس کی مثال اس انجینئر کی سی ہے جو عمارت تعمیر کرنے سے پہلے ضروریات ومقاصد کو پیش نظر رکھتے ہوئے اس کا نقشہ تیار کرتا ہے، تاکہ دوران تعمیر مشکلات وتکالیف سے بچا جا سکے، گویا کہ خاکہ تحقیقی مقالہ کے لیے بنیادی تعمیری ڈھانچے کی حیثیت رکھتا ہے۔ جہاں تک خاکہ یا خطہ کی تعریف کا تعلق ہے تو اس سے مراد:

(i) وہ بنیادی واساسی خطوط ہیں جن کے مطابق محقق دوران تحقیق اپنا کام کرتا ہے۔

(ii) تحقیق کے لیے کسی منتخب شدہ عنوان تحقیق کو مختلف ابواب، فصول اور مباحث میں تقسیم کرنا اور اسی طرح مناہج تحقیق، مقاصد تحقیق اور اسباب تحقیق ذکر کرنے کو خاکہ تحقیق کہا جاتا ہے۔

(iii) خاکہ مقالہ کی اس ابتدائی اور چھوٹی سی ہیئت وصورت کا نام ہے جو مقالہ مکمل ہونے

کے بعد ہو گی۔

(iv) ڈاکٹر گیان چند اے بے راتھ کے حوالہ سے خاکہ کے مفہوم کو یوں بیان کرتے ہیں:
خاکہ مختلف تصورات کی تقسیم، ترتیب اور باہمی رشتے کا نام ہے۔ کتاب ہی میں نہیں زندگی کے ہر شعبہ میں کام سے پہلے جو منصوبہ بنایا جائے گا وہی خاکہ کہلائے گا۔
اسی طرح خاکہ کی افادیت بھی بہت زیادہ ہے مثال کے طور پر:

(۱) خاکہ سے مقالہ کی ہیئت معلوم ہو جاتی ہے۔
(۲) مناسب لائحہ عمل اور منصوبہ بندی تیار ہو جاتی ہے۔
(۳) مختلف مشکلات اور تحقیقی عمل کی خامیوں سے بچا جا سکتا ہے۔
(۴) تحقیقی کام کی مختلف جزئیات پر آسانی سے غور کیا جا سکتا ہے۔
(۵) خاکہ کی تیاری سے طے شدہ منہج ہی اختیار کرنا پڑتا ہے جس سے افراط و تفریط سے بچا جا سکتا ہے۔
(۶) خاکہ کی تیاری سے جانچ پرکھ آسان ہو جاتی ہے اور راہنمائی میں آسانی ہوتی ہے۔

خاکہ تحقیق کے بنیادی عناصر:

خاکہ کی کوئی مسلمہ شکل و صورت اور ہیئت نہیں ہوتی۔ موضوع و عنوان کی تبدیلی سے خاکہ کی صورت بدل جاتی ہے لیکن ہر خاکہ میں چند بنیادی و اساسی عناصر ضرور ہوتے ہیں جو درج ذیل ہیں:

(۱) صفحہ عنوان (Title Page):

عنوانِ تحقیق، درجہ تحقیق، جامعہ یا ادارہ کا مونوگرام، محقق کا نام، رول نمبر، رجسٹریشن نمبر، مجوزہ نگرانِ مقالہ کا نام، شعبہ کا نام اور تعلیمی سیشن پر مشتمل ہوتا ہے۔

(۲) مقدمہ (Preface):

مقدمۂ خاکہ موضوع کے تعارف (Introduction)، اہمیت موضوع

(Importance of topic)، سبب انتخاب (Justification) فرضیہء تحقیق (Hypothesis)، مقاصد تحقیق (Objectives)، سابقہ تحقیقات کا جائزہ (Review of Literature)، منہج تحقیق (Reseaech Methodology)، طریق کار (Procedure) اور بنیادی ماٰخذ (Basic Sources) پر مشتمل ہوتا ہے۔

(۳) ابواب وفصول کی تفصیل:

اس عنوان کے تحت مقالہ کے تمام ابواب وفصول کے عناوین کی تفصیل ذکر کی جاتی ہے۔

(۴) مجوزہ مصادر ومراجع کی فہرست:

دورانِ تحقیق جن کتب سے استفادہ کرنا ہو ان کو ذکر کیا جاتا ہے۔

ذیل میں تحقیقی کام کے خاکے بنا کر درج کیے جاتے ہیں تاکہ ان سے استفادہ کیا جا سکے۔ کوئی خاکہ بھی حتمی نہیں ہوتا اس میں ترمیم واضافہ کیا جا سکتا ہے۔ بعض اداروں اور جامعات میں خاکہ کے شروع میں Abstract بھی لگایا جاتا ہے۔ اس لیے نمونہ کے طور پر ہم نے بعض خاکہ جات کے شروع میں Abstract ذکر کر دیا ہے تاکہ اپنے اپنے فارمیٹ کے مطابق اس سے استفادہ کیا جا سکے۔

نمونہ خاکہ:

تفسیر روفی کے منہج و اسلوب کا تحقیقی و تنقیدی جائزہ

(خاکہ برائے تحقیقی مقالہ ایم فل علوم اسلامیہ)

سیشن ۲۰۱۴ء۔ ۲۰۱۲ء

مقالہ نگار	نگران مقالہ
صباء اسلام	پروفیسر ڈاکٹر ہمایوں عباس
رول نمبر:	ڈین فیکلٹی آف اسلامک اینڈ اورینٹل لرننگ
رجسٹریشن نمبر	گورنمنٹ کالج یونیورسٹی، فیصل آباد

شعبہ علوم اسلامیہ وعربی

گورنمنٹ کالج یونیورسٹی، فیصل آباد

16/10/2013

مقدمہ

اللہ تعالیٰ کے لئے تمام حمد وثناء جس نے انسان کو بے شمار نعمتوں سے نوازا۔اس کی ان گنت نعمتوں میں ایک نعمت قرآن ہے۔قرآن مجید اللہ تعالی کا کلام ہے جو اس پاک ذات نے انسانوں کی ہدایت کے لیے اپنے آخری پیغمبر حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل کیا۔کلام مجید ایک واضح اور کھلی کتاب ہے اس میں زندگی کے تمام شعبہ جات کے متعلق تعلیمات موجود ہیں اور یہ انسانی عقل کے لئے ہر دور میں ایک راہنمار ہا ہے۔اس کی زبان معجزانہ اور اسلوبِ بیان منفرد ہے۔اس میں بہت سے احکام مجمل یا کلیات کی شکل میں ہیں، جن کی وضاحت اور تشریح رسول اللہ نے اپنے قول اور عمل سے فرمائی۔

آپ کا منصب قرآن میں یوں بیان کیا گیا ہے:

وَاَنْزَلْنَآ اِلَیْکَ الذِّکْرَ لِتُبَیِّنَ لِلنَّاسِ مَا نُزِّلَ اِلَیْهِمْ وَلَعَلَّهُمْ یَتَفَکَّرُوْنَ۔ (النحل:۴۴)

مزید ارشاد ہوتا ہے:

لَقَدْ مَنَّ اللّٰهُ عَلَى الْمُؤْمِنِیْنَ اِذْ بَعَثَ فِیْهِمْ رَسُوْلًا مِّنْ اَنْفُسِهِمْ یَتْلُوْا عَلَیْهِمْ اٰیٰتِهٖ وَ یُزَکِّیْهِمْ وَ یُعَلِّمُهُمُ الْکِتٰبَ وَالْحِکْمَةَ ۚ وَاِنْ کَانُوْا مِنْ قَبْلُ لَفِیْ ضَلٰلٍ مُّبِیْنٍ۔ (آلعمران:۱۶۴)

یہ دونوں آیات مبارکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے منصبِ رسالت کی وضاحت فرما رہی ہیں۔آپ قرآن مجید کے پہلے مفسر ہیں۔مفسرین نے ہر دور میں اپنے ذوق اور ماحول کے مطابق تفاسیر لکھی ہیں اور اس مقصد کے لئے مختلف مناہج اور اسالیب اختیار کئے ہیں۔مختلف مناہج اور اسالیب کے ساتھ قرآن کی تفسیر کرنا بھی کسی معجزہ سے کم نہیں ہے۔

موضوع کی ضرورت و اہمیت (Importance of the Topic):

قرآن پاک کی تفسیر کی ضرورت اور اہمیت کا اندازہ اسی امر سے ہوجاتا ہے کہ اللہ

تعالی نے اپنے محبوب حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے فرائض منصبی میں اسے شامل کیا ہے۔اور ہر دور میں مسلمانوں نے حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اس سنت کو قائم رکھا۔

مرورِ زمانہ کے ساتھ قرآن کے الفاظ کی وضاحت کی ضرورت اور اہمیت میں اضافہ ہوتا چلا گیا اور تفسیر کا فن ترقی کی منازل طے کرتا چلا گیا۔مختلف تفسیری رجحانات سامنے آئے۔قرآن مجید کی لغوی، فقہی اور صوفیانہ تفاسیر لکھی گئیں۔برصغیر پاک و ہند کے مسلمانوں نے بھی اپنے دین کی یہ خدمت جاری رکھی اور قرآن مجید کی وضاحت کے لیے مختلف زبانوں میں تفاسیر لکھیں۔انہی تفاسیر میں سے ایک تفسیر، تفسیرِ رؤفی بھی ہے جس کا شمار اردو کی چند ابتدائی تفاسیر میں ہوتا ہے۔جو شاہ رؤف احمد کی علمی اور دینی خدمت کی ایک تابندہ یادگار ہے۔یہ تفسیر اس دور میں لکھی گئی جب اردو زبان ابھی نوزائیدہ تھی۔

انیسویں صدی وہ دور ہے جب عالم اسلام میں سے برصغیر پاک و ہند کے مسلمان سیاسی یقین و بے یقینی سے گزر رہے تھے۔مسلمانوں کے علوم وفنون کا چراغ اپنی تابانی کو آہستہ آہستہ کھو رہا تھا۔اس دور میں صاحب علم حضرات نے کوشش کی کہ مسلمانوں کو ان کے دین اصل کی طرف بلایا جائے۔انہی کاوشوں میں سے ایک کاوش ''تفسیرِ رؤفی'' ہے۔شاہ رؤف احمد مجددی نے قرآن مجید کی یہ تفسیر اردو نثر میں دو ضخیم جلدوں میں لکھی ہے۔اِس کا آخری ایڈیشن ۱۸۸۷ء میں نامی پریس بمبئی سے طبع ہوا اور یہی قدیم ایڈیشن عکسی صورت میں الحقائق فاؤنڈیشن نے نومبر ۲۰۱۲ء میں طبع کیا۔جس میں دونوں حصوں کو جمع کر دیا گیا ہے۔تاہم موجودہ تفسیر کو طباعت کے لحاظ سے تین حصّوں میں تقسیم کیا جاسکتا ہے۔

پہلا حصّہ پارہ نمبر ۱ تا پارہ نمبر ۱۰

دوسرا حصّہ پارہ نمبر ۱۱ تا پارہ نمبر ۱۵

تیسرا حصّہ پارہ نمبر ۱۶ تا پارہ نمبر ۳۰

تفسیر رؤفی میں مفسر کا اندازِ بیاں سادہ اور عام فہم ہے لیکن الفاظ میں تقدیم و تاخیر

قدیم اردو کی یاد دلاتی ہے۔ یہ زبان موجودہ اردو زبان سے منفرد ہے۔ اس میں ہے کو ہی اور اے کو ای تحریر کیا گیا ہے۔ اس کے علاوہ بھی اس میں بہت سی لسانی اور رسم الخط کی خصوصیات پائی جاتی ہیں جن کی وضاحت اس مقالہ میں تفصیل سے کی جائے گی۔ شاہ رؤف احمد نے قرآن اور احادیث صحیحہ سے استفادہ کے ساتھ ساتھ کتبِ فقہ، کتب تفاسیر، کتب تصوف اور کتب تاریخ سے مدد لی ہے۔ شاہ رؤف احمد نے اپنی شاعری کے ذریعے قرآن کے الفاظ کی تشریح کی ہے۔ اس میں قرآنی احکام کی تفصیل موجود ہے اور باطل عقائد کا رد بھی کیا گیا ہے۔

اس دور کی اردو زبان ''ریختہ'' جس میں یہ تفسیر لکھی گئی ہے، تحقیق کی متقاضی ہے۔ نفس مضمون کے لحاظ سے فصاحت و بلاغت، اسلوب، تشریح میں عالمانہ رنگ اور صوفیانہ آہنگ تفسیرِ رؤفی کے امتیازی اوصاف ہیں۔ تفسیرِ رؤفی کی انہی تمام خصوصیات نے محقق کو اس تفسیر کی جانب مائل کیا اور ایم۔ فل کے مقالہ کے لیے اِس موضوع کو منتخب کیا گیا تا کہ تفسیرِ رؤفی کے ادبی مناہج اور اسالیب کو اُجاگر کیا جائے۔

سابقہ کام کا جائزہ (Literature Review):

تفسیرِ رؤفی کا طرزِ بیان، منفرد مناہج و اُسلوب اور اِس کی اِمتیازی خصوصیات کے باوجود اِس تفسیر پر کوئی عِلمی و تحقیقی اور تجزیاتی تحقیق سامنے نہیں آئی۔ اِس تفسیر کی عکسی اشاعت میں محمد اقبال مجددی نے اِس کا ایک نہایت خوبصورت مقدمہ تحریر کیا ہے۔ ایم اے، ایم فل اور پی ایچ ڈی کی سطح پر اِس تفسیر پر کوئی تحقیقی کام نہیں ہوا۔ لہٰذا ضرورت اس امر کی ہے کہ اِس تفسیر پر تحقیقی کام کیا جائے اور اِس تفسیر کے اہم پہلوؤں سے متعارف کروایا جائے۔ اسی کے پیشِ نظر میں نے ایم۔ فل کے مقالہ کے لئے اس تفسیر کا انتخاب کیا اور اس کے منہج اور اسلوب کے تحقیقی اور تنقیدی جائزے کو اپنی تحقیق کا عنوان بنایا۔

فرضیہ تحقیق (Hypothesis):

۱۔ تفسیرِ رؤفی اپنی زبان و بیان کے لحاظ سے ایک ادبی شاہکار اور دینی سرمایہ ہے۔

۲۔ شاہ رؤف احمد نے تفسیر میں منفرد اُسلوب متعارف کروایا ہے۔

منہجِ تحقیق (Research Methodology):

۱۔ مقالہ کی تحقیق کے لیے بیانیہ طرزِ تحقیق اختیار کیا جائے گا۔

۲۔ جی۔سی یونیورسٹی، فیصل آباد کے طے شدہ Research Format کو مدِ نظر رکھا جائے گا۔

۳۔ مصادر و مراجع میں حروفِ تہجی کی ترتیب کو مدِ نظر رکھا جائے گا۔

۴۔ حوالہ جات دیتے ہوئے تفسیرِ رؤفی کو تین حصوں یا جلدوں میں ہی تصور کیا گیا ہے اور اسی لحاظ سے حوالہ جات دیئے جائیں گے۔

۵۔ اقتباسات میں جو آیات و احادیث موجود ہیں ان کا حوالہ نہیں دیا جائے گا بلکہ جس کتاب سے وہ اقتباس نقل کیا گیا ہے اسی کتاب کا حوالہ دیا جائے گا۔

۶۔ اس مقالہ میں درج ذیل رموز و اشارات استعمال کیے جائیں گے:

رض	رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے لیے
رح	رحمۃ اللہ علیہ کے لیے
ج	جلد نمبر کے لئے
ص	صفحہ نمبر کے لئے
ٗ	مختلف الفاظ کو آپس میں ملانے کے لئے
" "	اقتباسات لکھنے کے لئے
ء	سن عیسوی کو ظاہر کرنے کے لئے
ھ	سن ہجری کو ظاہر کرنے کے لئے
س۔ن	سن ندارد
م	متوفی کے لئے

اس تحقیقی مقالہ بعنوان ''تفسیرِ رؤفی کے منہج واُسلوب کا تحقیقی وتنقیدی جائزہ'' کو چار ابواب اور بارہ فصول میں تقسیم کیا گیا ہے۔ اور آخر میں خلاصہ بحث، فہارس میں قرآنی آیات، احادیث کے علاوہ مصادر و مراجع مذکور ہوں گے۔

تبویب

باب اول: شاہ رؤف احمد کے احوال وآثار

فصل اول: عہدِ رؤفی کے سیاسی، سماجی اور علمی حالات

فصل دوم: شاہ رؤف احمد کے احوالِ حیات

فصل سوم: شاہ رؤف احمد کی علمی و ادبی خدمات

باب دوم: تفسیرِ رؤفی کا تعارف وجائزہ

فصل اول: تفسیرِ رؤفی کا منہج واُسلوب

فصل دوم: تفسیرِ رؤفی کے مآخذ

فصل سوم: تفسیرِ رؤفی میں تفسیری اصول

باب سوم: تفسیرِ رؤفی کا ادبی ولسانی جائزہ

فصل اول: اصنافِ شعر کا اِستعمال

فصل دوم: متروک اندازِ نگارش

فصل سوم: فارسیت اور مقامی زبان کا امتزاج

باب چہارم: تفسیرِ رؤفی کی خصوصیات، اثرات اور موازنہ

فصل اول: تفسیرِ رؤفی کی خصوصیات

فصل دوم: تفسیرِ رؤفی کے دیگر تفاسیر پر اثرات

فصل سوم: تفسیرِ رؤفی کا معاصر تفاسیر سے موازنہ

خلاصۂ بحث

نتائج وسفارشات

فہارس

☆قرآنی آیات

☆احادیثِ مبارکہ

☆اماکن وبلدان

☆اعلام

☆ابیات

☆مصادر ومجامع

مجوزہ مصادر ومراجع

☆القرآن الحکیم

☆احمد منزوی، فہرست مشترک نسخہ ہائی خطی فارسی پاکستان، مرکز تحقیقات فارسی ایران و پاکستان، س۔ن

☆انور سدید، ڈاکٹر، اُردو ادب کی تحریکیں، کراچی: انجمن ترقی اُردو پاکستان، ۱۹۹۹ء

☆جمیل جالبی، ڈاکٹر، تاریخ ادبِ اُردو، لاہور: مجلس ترقی ادب، ۲۰۰۵ء

☆حلوائی، نبی بخش، محمد، تفسیرِ نبوی، لاہور: کریمی سٹیم پریس، س۔ن

☆رام بابو سکسینہ، ڈاکٹر، تاریخ ادبِ اُردو، (مترجم) محمد عسکری، مرزا، لاہور: علمی کتاب خانہ، ۱۹۸۰ء

☆ رضوی، سلیم حامد، ڈاکٹر، اُردو ادب کی ترقی میں بھوپال کا حصّہ، بھوپال: ادارۂ ادب

وتنقید، ۱۹۶۵ء

☆عبدالحئی، علامہ شریف، نزهة الخواطر وبهجة المسامع والنواظر، بیروت: دار ابن حزم، ۱۹۹۹ء

☆عبدالعزیز، محدث دہلوی، تفسیرِ عزیزی، بمبئی: مطبع حیدری، ۱۲۹۴ھ

☆مجددی، شاہ رؤف احمد، تفسیرِ رؤفی، لاہور: الحقائق فاؤنڈیشن، ۲۰۱۲ء

☆محمد اکرام، شیخ، موجِ کوثر، لاہور: ادارہ ثقافتِ اسلامیہ، ۱۹۷۵ء

☆محمد اکرام، شیخ، رودِ کوثر، لاہور: ادارہ ثقافتِ اسلامیہ، ۱۹۸۶ء

☆نساخ، عبدالغفور، سخن شعرا، لکھنؤ: اتر پردیش اردو اکادمی، ۱۹۸۲ء

◆◆◆

نمونۂ خاکہ:

صدرِ اسلام میں خواتین کی معاشی سرگرمیاں

(خاکہ برائے تحقیقی مقالہ ایم فل علوم اسلامیہ)

سیشن ۲۰۱۴ء-۲۰۱۲ء

مقالہ نگار	نگران مقالہ
صومیہ	پروفیسر ڈاکٹر ہمایوں عباس
رول نمبر:	ڈین فیکلٹی آف اسلامک اینڈ اورینٹل لرننگ
رجسٹریشن نمبر	گورنمنٹ کالج یونیورسٹی، فیصل آباد

شعبہ علومِ اسلامیہ و عربی

گورنمنٹ کالج یونیورسٹی، فیصل آباد

16/01/2013

Abstract:

صدرِ اسلام یعنی حضرت محمد ﷺ اور خلفائے راشدین کے عہد میں مسلمان عورت کا بہترین عملی نمونہ سامنے آتا ہے اور ثابت ہوتا ہے کہ خواتین نے دیگر میادین کی طرح معاشی میدان میں بھی وقت کے تقاضوں کے مطابق حصہ لیا اور حصول معاش کے مختلف جائز ذرائع کو استعمال میں لاتے ہوئے رزق حلال کے لیے کوشاں رہیں۔ اس سے دو اہم فوائد حاصل ہوئے ایک، گھر کے سرپرست کی عدم موجودگی یا اُس کی تنگدستی و غربت کی صورت میں اپنے اور اپنے خاندان کے لیے شریفانہ زندگی کی فراہمی اور دوسرا، اپنے کسب و عمل کے ذریعہ اللہ کی راہ میں صدقہ کر کے اپنے لیے بلند مقام کا حصول۔

زیرِ نظر عنوانِ مقالہ ''صدرِ اسلام میں خواتین کی معاشی سرگرمیاں تحقیقی جائزہ'' کے تحت معاش کا معنی و مفہوم، اسلام میں کسبِ معاش کی اہمیت، عہدِ نبوی ﷺ اور عہد خلافتِ راشدہ میں خواتین کی معاشی سرگرمیوں میں شرکت، اُن معاشی سرگرمیوں کی نوعیت مثلاً تجارت، زراعت، اور صنعت و حرفت، مختلف معاشی سرگرمیوں میں حصہ لینے کا طریقہ کار اور عصرِ حاضر کی خواتین کے لیے لائحہ عمل کے بارے میں تحقیقی مطالعہ پیش کیا جائے گا۔

موضوع کا تعارف (Introduction To The Topic):

اسلام ایک عالمگیر اور ہمہ گیر دستورِ حیات ہے۔ انسانی زندگی کا کوئی پہلو ایسا نہیں خواہ وہ انفرادی ہو یا اجتماعی، سیاسی ہو یا اخلاقی، معاشرتی ہو یا معاشی جس کے متعلق دینِ اسلام میں اُصولِ رہنمائی موجود نہ ہوں۔ انسان کی زندگی میں معاشی معاملات کی اہمیت کی وجہ سے دینِ اسلام نے مضبوط بنیادوں پر استوار نظامِ معیشت متعارف کروایا اور معیشت کے بارے میں اولین بنیادی حقیقت، جسے قرآن نے بار بار بیان کیا، یہ ہے کہ وہ تمام ذرائع و وسائل جن پر انسان کی معاش کا انحصار ہے، اللہ تعالیٰ کے پیدا کیے ہوئے ہیں اور وہ تمام ذرائع و وسائل انسان کے لیے نافع ہیں۔ ارشادِ خداوندی ہے:

هُوَ الَّذِیْ جَعَلَ لَکُمُ الْاَرْضَ ذَلُوْلاً فَامْشُوْا فِیْ مَنَاکِبِھَا وَکُلُوْا مِنْ رِّزْقِهٖ ؕ وَاِلَیْهِ النُّشُوْرُ o۔ (الملک:۱۵)

اور معاشی سرگرمیوں کی اہمیت کے پیشِ نظر رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ تعالیٰ کی رہنمائی میں وہ اُصول طے کر دیے جن پر ساری معاشی جدوجہد کی تنظیم ہوتی ہے اور معاملات کسبِ معاش میں حلال اور حرام کی تمیز قائم کر کے بنیادی اُصول واضح کر دیا۔

ارشادِ خداوندی ہے:

یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَاْکُلُوْٓا اَمْوَالَکُمْ بَیْنَکُمْ بِالْبَاطِلِ اِلَّآ اَنْ تَکُوْنَ تِجَارَةً عَنْ تَرَاضٍ مِّنْکُمْ قف وَلَا تَقْتُلُوْٓا اَنْفُسَکُمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ کَانَ بِکُمْ رَحِیْمًا o (النساء:۲۹)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا اسوہ، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات ہمیں بھرپور معاشی جدو جہد کی ترغیب دیتی ہیں۔ انسان کا معاشی سرگرمیوں میں شریک رہنا اُس کی عزتِ نفس کی حفاظت ہے یہی وجہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے خود بھی محنت کی اور اہلِ ایمان کو بھی محنت پر آمادہ کیا تا کہ معاشی خوشحالی میسر آ سکے۔

عورت اور مرد معاشرے کی بنیادی اکائی ہیں اگرچہ اسلام نے کسبِ معاش کے لیے دوڑ دھوپ اور تگ و دو مرد کے ذمہ عائد کی ہے اور عورت کو گھر کے اندرونی نظام کی ذمہ داری سونپی ہے لیکن کسبِ معاش سے بالکل مستثنیٰ قرار نہیں دیا۔

یہی وجہ ہے کہ ہمیں صدرِ اسلام یعنی عہدِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم اور عہدِ خلافت راشدہ میں بہت سے ایسے شواہد ملتے ہیں جن سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ عہدِ رسالت اور عہدِ خلفائے راشدین میں خواتین مختلف معاشی سرگرمیوں میں حصہ لیتی تھیں اور انہوں نے حصولِ معاش کے لیے مختلف ذرائع اختیار کیے۔ اس مقالہ میں صدرِ اسلام کی خواتین کی معاشی سرگرمیوں کا ایک تحقیقی جائزہ پیش کیا جائے گا تا کہ عہدِ رسالت اور عہدِ خلفائے راشدین کی خواتین کا

معاشی سرگرمیوں کے بارے میں طرزِ عمل آج کی مسلمان خواتین کے لیے نمونہ عمل بن سکے۔

موضوع کی ضرورت واہمیت (Importance of the Topic):

آپ ﷺ کے عمل اور ارشادات سے واضح ہوتا ہے کہ وسائل رزق کے حصول کے لیے پوری جدوجہد کرنی چاہیے۔

ارشادِ خداوندی ہے:

وَلَقَدْ مَكَّنّٰكُمْ فِي الْأَرْضِ وَ جَعَلْنَا لَكُمْ فِيْهَا مَعَايِشَ ؕ قَلِيْلًا مَّا تَشْكُرُوْنَ ۝ (الاعراف:۱۰)

یہ آیت ثابت کرتی ہے کہ دین اسلام نے وسائل رزق مردوں کے لیے مخصوص نہیں کیے یہی وجہ ہے کہ صدر اسلام میں مردوں کے ساتھ ساتھ خواتین نے بھی کسب معاش کی کوشش کی اور معاشی سرگرمیوں میں بھرپور حصہ لیا۔ عہد نبوی ﷺ اور عہد خلفائے راشدین میں کسب معاش کے اہم وسیلوں میں زراعت، تجارت اور صنعت وحرفت قابل ذکر ہیں۔ زیر بحث موضوع تحقیق بعنوان "صدر اسلام میں خواتین کی معاشی سرگرمیوں کے ذریعہ اس امر سے آگاہی ہوگی کہ صدر اسلام میں خواتین نے کن کن معاشی سرگرمیوں میں کس حد تک حصہ لیا تاکہ دور حاضر کی مسلمان خواتین اُن کے نقش قدم پر عمل پیرا ہو کر حالات وضروریات کے تقاضوں کے مطابق اپنی معاشی ضروریات کی کفیل بن جائیں۔

تحدیدِ موضوع (Limitation of Topic):

زیر تحقیق مقالہ میں خواتین کی معاشی سرگرمیوں کا جائزہ لیا جائے گا اس کے لیے صدرِ اسلام کے دور کا انتخاب کیا گیا ہے اور صدرِ اسلام کا دورِ عہدِ رسالت اور خلفائے راشدین کے عہد کو محیط ہے۔

فرضیہ تحقیق (Hypothesis):

۱۔ کیا عہدِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم اور عہدِ خلفائے راشدین میں خواتین مختلف معاشی سرگرمیوں میں حصہ لیتی تھیں اور کس حد تک اپنے معاش کی بذاتِ خود بھی کفیل تھیں؟

۲۔ کیا خواتینِ صدرِ اسلام نے باعزت ذرائع معاش اختیار کیے اور اپنے کمائے ہوئے مال کو راہِ خدا میں بھی خرچ کیا اور گھریلو معاشی ضروریات کی تکمیل بھی کی؟

۳۔ کیا عصرِ حاضر میں مسلمان خواتین کا حدود و قیود کا خیال رکھتے ہوئے معاشی سرگرمیوں اور معاملات میں حصہ لینا جائز ہے؟

منہجِ تحقیق (Research Methodology):

مقالہ کی تحقیق کے لیے درج ذیل منہج اختیار کیا جائے گا۔

☆ مقالہ کی تحقیق کے لیے بیانیہ طرزِ تحقیق اختیار کیا جائے گا۔

☆ حوالہ جات اور دیگر طریقِ تحقیق میں جی۔سی یونیورسٹی کے فارمیٹ پر عمل کیا جائے گا۔

اس تحقیقی مقالہ کو مقدمہ کے علاوہ چار ابواب میں تقسیم کیا گیا ہے اور آخر میں خلاصہ بحث ،نتائج ،فہارس اور مصادر و مراجع مذکور ہونگے۔

تبویب

باب اول: اسلام اور کسب معاش

فصل اول: معاش کا معنی و مفہوم اور اسلام کا تصورِ معیشت

فصل دوم: قرآن و سنت کی رُو سے کسبِ معاش کی اہمیت

فصل سوم: خواتین کی معاشی سرگرمیاں اور اسلامی تعلیمات

باب دوم: صدر اسلام میں خواتین کی تجارتی و زراعتی سرگرمیاں

فصل اول: صدرِ اسلام میں خواتین کی تجارتی سرگرمیاں
فصل دوم: کھیتی باڑی اور باغبانی کے ذریعے حصول معاش
فصل سوم: خواتین کی جنگی سرگرمیوں کی نوعیت اور حکمتِ عملی

باب سوم: گھریلو صنعت اور خواتین کی معاشی سرگرمیاں

فصل اول: گھریلو صنعت سے متعلق معاشی سرگرمیاں
فصل دوم: متفرق معاشی سرگرمیاں
فصل سوم: رضاعت اور کسب معاش

باب چہارم: خواتین کی معاشی سرگرمیوں کی جہات اور عصرِ حاضر

فصل اول: عصرِ حاضر میں خواتین کی معاشی سرگرمیوں کی جہات
فصل دوم: معاشی سرگرمیوں میں شرکت کی شرائط اور حدود و قیود
فصل سوم: عصرِ حاضر میں مسلمان خواتین کے لیے لائحہ عمل

خلاصۂ بحث

نتائج و سفارشات

فہارس

۱۔ قرآنی آیات

۲۔ احادیث

۳۔ اعلام

۴۔ اصطلاحات

۵۔اماکن وبلدان

مجوزہ مصادر ومراجع

۱۔ القرآن الکریم
۲۔ ابن اثیر، علی بن محمد، اسد الغابۃ فی معرفۃ الصحابۃ، بیروت: دارالکتب العلمیۃ، س۔ن
۳۔ بخاری، محمد بن اسماعیل، امام، الجامع المسند الصحیح المختصر من امور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وسننہ وایامہ، بیروت: دار ابن کثیر، ۲۰۰۲ء
۴۔ ابن حجر، احمد بن علی العسقلانی، الاصابۃ فی تمیز الصحابۃ، مصر: دار صادر، ۱۳۲۸ھ
۵۔ زیدان، عبدالکریم، الدکتور، المفصل فی احکام المرأۃ وبیت المسلم فی الشریعۃ الاسلامیۃ، بیروت: موسسۃ الرسالۃ، ۲۰۰۰ء
۶۔ عمر رضا کحالہ، اعلام النساء فی عالم العرب والاسلام، بیروت: موسسۃ الرسالۃ، س۔ن
۷۔ محمد ابوشقہ، عبدالحلیم، تحریر المرأۃ فی عصر الرسالۃ، کویت: دارالقلم، ۱۹۹۹ء
۸۔ ندوی، عبدالقیوم، اسلام اور عورت، لاہور: ایم ثناء اللہ خان، ۱۹۵۶ء
۹۔ وہبہ زحیلی، ڈاکٹر، الفقہ الاسلامی وادلتہ، دمشق: دارالفکر، ۱۹۸۹ء
۱۰۔ یٰسین مظہر صدیقی، ڈاکٹر، نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور خواتین (ایک سماجی مطالعہ)، لاہور: میٹرو پرنٹرز، ۲۰۱۱ء
۱۱۔ ایضاً، عہد نبوی میں تمدن، لاہور: میٹرو پرنٹرز، ۲۰۱۱ء
۱۲۔ ایضاً، رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی رضاعی مائیں، لاہور: گنج شکر پریس، س۔ن

نمونہ خاکہ:

امام عبدالوہاب شعرانیؒ کا تصورِ میزان اور عصر حاضر میں اس کا اطلاق

خاکہ تحقیق برائے پی ایچ ڈی (علوم اسلامیہ)

سیشن ۲۰۱۴ء۔۲۰۱۲ء

مقالہ نگار:
حافظ ذوالفقار علی
رول نمبر
رجسٹریشن نمبر:
سیشن:

نگران:
پروفیسر ڈاکٹر ہمایوں عباس
ڈین فیکلٹی آف اسلامک اینڈ اورینٹل لرننگ
چیئرمین شعبہ علوم اسلامیہ وعربی
جی سی یونی ورسٹی فیصل آباد

شعبہ علوم اسلامیہ وعربی
گورنمنٹ کالج یونی ورسٹی، فیصل آباد

Abstract:

اسلام وحیِ خدا پر مشتمل ایک مکمل ضابطۂ حیات ہے۔ اس ضابطہ میں لچک اور ارتقاء کی صلاحیت لیے ہوئے ایسے اصول و قواعد موجود ہیں جن میں جن و انس کو قیامت تک پیش آنے والے مسائل کا حل موجود ہے۔ ان قواعد کی روشنی میں فقہاء نے ہر دور میں پیش آمدہ جزوی مسائل کو قرآن و سنت کی روشنی میں حل کیا، لیکن مختلف مواقع پر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا عمل مبارک مختلف ہونے کی بنا پر فقہاء کے مرتب کردہ احکام میں اختلاف واقع ہونے لگا اور مختلف مسالکِ فقہ کی بنیاد پڑی۔ بعد کے ادوار میں علماءِ مقلدین نے نئی تحقیقات کی بجائے فقہاءِ اربعہ کے مسالک کے دفاع میں ہی اپنی تمام تر توانائیاں صرف کر دیں، حتیٰ کہ اختلافِ آراء اس حد تک بڑھا کہ ایک مسلک کا حامی دیگر مسالک کو یکسر غلط قرار دینے لگا۔ اندریں حالات کسی ایسے مجتہد کی ضرورت تھی جو اختلافِ فقہاء کے حل کے لیے ایک ایسا میزان قائم کرے جس پر جانچ پرکھ کے بعد کسی مسئلہ کے بارے میں درست رائے قائم کی جا سکے۔

دسویں صدی ہجری کی معروف شخصیت علامہ عبدالوہاب شعرانیؒ نے اختلافِ ائمہ کی نزاکت کا ادراک کرتے ہوئے ''میزان'' کے نام سے ایک تصور متعارف کرایا، جس کے مطابق ائمہ کا اختلاف، دین میں وسعت اور سہولت و تخفیف کا سبب ہونے کے ساتھ ساتھ اس کے مبنی بر دوام اوصاف کا مظہر اور باعثِ رحمت امر بھی ہے۔ آپ نے تصورِ میزان کے ذریعے ائمہ فقہ کے اقوال میں تطبیق پیدا کی اور فقہ و فقہاء سے متعلق پیدا ہونے والی ان غلط فہمیوں کا ازالہ فرمایا جن کے مطابق ائمہ اربعہ میں سے ہر ایک کو راہِ حق پر نہیں مانا جا سکتا۔ امام شعرانیؒ نے اس غلط فہمی کا رد بھی کیا کہ شریعت اور طریقت الگ الگ اور باہم متناقض و متضاد چیزیں ہیں۔ آپ نے دونوں کو ایک دوسرے کا معاون اور باہم لازم و ملزوم قرار دیا۔ اختلافِ ائمہ کی حقیقت پر بحث کرتے ہوئے علامہ عبدالوہاب شعرانیؒ نے جو موقف اختیار کیا ہے وہ اس قدر بے مثال اور مبنی بر اعتدال ہے کہ اسلامی فقہ کی تاریخ میں اس کی نظیر

کہیں اور نظر نہیں آتی۔

موضوعِ تحقیق کا تعارف(introduction To The Topic):

اللہ تعالیٰ نے انسان کو منصبِ خلافت سے سرفراز فرمایا[۱] تاکہ وہ زمین پر اللہ کی مرضی نافذ کرے۔اس ضمن میں اللہ تعالیٰ نے انسان کو اپنی جانب سے سلسلۂ ہدایت عطاء فرمایا[۲] اور مختلف زمانوں میں یکے بعد دیگرے انبیاء ورسل اور کتبِ مقدسہ بھیجنے کا سلسلہ جاری رکھا اور بالآخر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر قرآن کریم نازل فرماکے دین کی تکمیل فرما دی۔[۳] نازل فرمودہ کتبِ ہدایت میں اللہ تعالیٰ نے انسانیت کی راہنمائی کے اُصول وکلیات بیان فرمادیے جب کہ جزوی معاملات کو صراحتاً ذکر کیے بغیر انہی قواعدِ کلیہ سے انسانوں کے استنباط پر چھوڑ دیا۔شریعت محمدیہ میں تکمیلِ دین کا مفہوم بھی یہی ہے کہ اسلام میں اُصولی قواعد اور کلی احکام کی صورت میں تمام جزئیات کے حل کے لیے رہنمائی فراہم کر دی گئی ہے۔[۴]

عہدِ نبوی میں جب کوئی ایسا حکمِ شرعی وارد ہوتا جس کے فہم میں کوئی اشتباہ یا اجمال ہوتا تو صحابہ کرام بارگاہِ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم سے رجوع فرما کر اپنی تشفی فرماتے تھے۔ قرآن کی تبیین وتعلیم نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے منصبِ جلیلہ کا ایک تقاضا تھا۔[۵] آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کے بعد جب کوئی ایسی صورت حال پیش آتی تو صحابہ کرام قرآنی آیات اور سنت نبوی سے اس سلسلے میں رہنمائی حاصل کرتے تھے، اگر وہ قرآن وسنت میں درپیش مسئلے کی وضاحت نہ پاتے تو مجتہد صحابہ کرام کی آراء سے استفادہ فرماتے تھے۔

۱۔ البقرہ:۳۰

۲۔ ایضاً:۳۸

۳۔ المائدۃ:۳

۴۔ شاطبی، ابراہیم بن موسیٰ، الموافقات فی اصول الشریعہ، الخبر (سعودیہ): دار ابن عفان، ۱۴۱۷ھ، ج۵،ص۲۳۸

۵۔ النحل:۴۴

جب اسلامی تہذیب وثقافت کا دائرہ وسیع ہوا اور نت نئے مسائل سامنے آنے لگے تو کئی فقہی مسالک کی بنیاد پڑی۔ فقہی مسالک میں سے حنفی اور مالکی فقہ کی حیثیت اسلامی قوانین میں تعمیری فقہ کی ہے۔ حنفی فقہ کا مرکز عراق تھا جو کہ مشرق کی اسلامی ریاستوں کا سیاسی مرکز بھی تھا۔ مغرب سے آنے والے علماء مصر ہوتے ہوئے سیدھے حجاز مقدس پہنچتے تھے۔ عراق ان کی راہ گزر سے دور تھا اس لیے وہ امامِ دارالہجرۃ امام مالکؒ اور ان کے شاگردوں سے فقہ وحدیث کا درس لے کر واپس اپنے وطن چلے جاتے۔ مشرق میں جو حیثیت امام ابوحنیفہؒ کے شاگرد قاضی ابو یوسف کو حاصل ہوئی، مغرب میں قریباً وہی مقام امام مالکؒ کے شاگرد یحییٰ بن یحییٰ لیثی کو ملا۔ یوں دونوں اطراف کی اسلامی ریاستوں میں بالترتیب حنفی اور مالکی فقہ حکومتوں کا دستور العمل قرار پائیں۔

شافعی اور حنبلی فقہ کی حیثیت زیادہ تر تنقیدی فقہ کی تھی۔ ان کے علماء کا تعلق زیادہ تر درس وتدریس، تصنیف وتالیف اور تعلیم وتعلم سے رہا۔ انھوں نے فقہ کے مقتدر مسالک کو ہدفِ تنقید بناتے ہوئے اپنی اختلافی آراء پیش کیں، تاہم اس اختلاف میں ائمہ کے آپس کے تعلق، باہمی احترام اور مقام شناسی کو کسی موقع پر بھی پسِ پشت نہیں ڈالا گیا، جس کا واضح ثبوت امام ابوحنیفہؒ کے بارے میں امام شافعی کا یہ قول ہے:

"الناس عيال في الفقه على أبي حنيفة"(١)

(لوگ فقہ میں ابوحنیفہ کے دست نگر ہیں۔)

بعد میں بے جا تقلید کے اثرات سے فقہ شافعی بھی محفوظ نہ رہی اور متاخرین اہل قلم نے سارا زورِ قلم اس اَمر پر صرف کیا کہ ان کے امام کی رائے ہر مسئلہ میں بہر طور صحیح تھی اور اس کے بالمقابل دلائل خواہ کتنے ہی قوی کیوں نہ ہوں، قابل اعتنا نہیں ہیں۔

١۔ ابن خلکان، احمد بن محمد، وفیات الاعیان وأنباء أبناء الزمان، بیروت: دار صادر، ١٣٩٧ھ، ج ٥، ص ٤٠٩

شیخ عبدالوہاب شعرانیؒ[۱] اگرچہ شافعی المسلک تھے مگر آپ نے چاروں مذاہب کا بالاستیعاب مطالعہ کیا جس کی وجہ بیان کرتے ہوئے آپ لکھتے ہیں کہ جب مجھے شافعی مذہب میں تبحر حاصل ہوگیا تو میں نے ضروری سمجھا کہ ان مسائل سے بھی واقفیت حاصل کروں جن پر چاروں، یا کم ازکم تین ائمہ کا اتفاق ہے، تاکہ میں ان کے اوامر کا امتثال اور نواہی سے اجتناب کرسکوں۔[۲]

ائمہ مجتہدین کے تمام مذاہب میں آپ کے اس تبحر کے باعث اور تمام مذاہب کی توجیہات اور تقاریر پر عبور کی وجہ سے اگر کوئی حنفی مذہب پر آپ کی گفتگو سنتا تو آپ کو حنفی خیال کرتا اور اگر مذہبِ حنبلی یا مالکی پر آپ کی تقریر سنتا تو حنبلی یا مالکی سمجھتا، حالانکہ آپ امام شافعی کے مقلد تھے۔ اس کی وجہ دراصل یہی تھی کہ آپ تمام ائمہ کے اقوال اور اُصولوں سے پوری طرح واقف ہوگئے تھے اور آپ نے ان کے جمیع ادلہ کا احاطہ کرلیا تھا۔[۳]

امام شعرانی کے زمانہ میں علمی حلقوں میں کئی طرح کی غلط فہمیاں در آئی تھیں جن کا آپ نے بڑے موثر انداز میں ازالہ فرمایا۔ مذکورہ غلط فہمیاں حسبِ ذیل تھیں:

۱۔ ائمہ اربعہ کا اختلاف اس قدر وسیع اور بنیادی نوعیت کا ہے کہ اس کے ہوتے ہوئے چاروں کو راہِ صواب کا سالک قرار نہیں دیا جاسکتا۔

امام شعرانیؒ نے مضبوط دلائل سے اس نظریہ فاسدہ کو رد فرمایا اور ثابت کیا کہ چاروں ائمہ راہِ حق وصواب پر ہیں۔

۱۔ عبدالوہاب بن احمد شعرانی شافعی المسلک مصری عالم تھے۔ آپ قصبہ قلقشندہ میں ۲۷ رمضان ۸۹۸ھ (۱۴۹۳ء) میں پیدا ہوئے۔ ۱۲ سال کی عمر میں قاہرہ روانہ ہوئے اور وہاں سید ابوالعباس غمری کے مدرسہ میں قیام پذیر ہوئے۔ آپ کے شیوخ کی تعداد پچاس کے قریب ہے۔ آپ کی وفات ۹۷۳ھ (۱۵۶۵ء) میں بعمر ۷۵ برس ہوئی۔ مقالہ میں آپ کا تفصیلی تعارف پیش کیا جائے گا۔

۲۔ شعرانی، عبدالوہاب بن احمد، ابوالمواہب، لطائف المنن والاخلاق، دمشق: دارالتقویٰ، ۱۴۲۵ھ، ص ۸۹

۳۔ ایضاً ص ۹۱

۲۔ شریعت اور طریقت الگ الگ دو چیزیں ہیں جن کا باہمی توافق ممکن نہیں بلکہ یہ دونوں باہم متناقض ہیں۔ شریعت کا تعلق صرف ظاہری اُمور سے ہے جب کہ طریقت کا میدان روحانی اور باطنی اُمور ہیں۔ چنانچہ کم علم حاملینِ شرع، اہل تصوف پر طعن و تشنیع کرتے اور اسی طرح تصوّف کی گہرائیوں سے ناآشنا اہل طریق، علماءِ حق کی مخالفت کرتے تھے۔

امام شعرانی نے شریعت اور طریقت کے مابین موجود اس غیر فطری اور خود ساختہ خلیج کو ختم کرنے کے سلسلے میں اہم علمی خدمات سرانجام دیں اور شریعت و طریقت کو باہم لازم و ملزوم قرار دیا۔

۳۔ چاروں ائمہ، بالخصوص امام ابو حنیفہ، اُمورِ دینیہ میں رائے زنی کرتے ہیں اور قرآن و سنت کے ہوتے ہوئے بھی اپنی رائے پر فیصلہ کرتے ہیں جو کسی طور بھی روا نہیں ہے۔

امام شعرانی نے اس رائے کا رد کرتے ہوئے ثابت کیا کہ ائمہ اربعہ کی کوئی رائے بھی ایسی نہیں ہے جس کی سند میں کوئی قرآنی آیت، حدیث نبوی، اثرِ صحابی یا صحیح اصل پر مبنی قیاس نہ پایا جاتا ہو۔

اختلافِ ائمہ کی حقیقت پر بحث کرتے ہوئے جو موقف آپ نے اختیار کیا ہے وہ اس قدر محتاط اور بے مثال ہے کہ فقہ اسلامی کی تاریخ میں ایسا موقف کہیں اور نظر نہیں آتا۔ آپ نے اپنی تالیف ''کتاب المیزان'' (جسے میزان الکبریٰ بھی کہا جاتا ہے) میں اتحاد بین المذاہب کی جو کوشش کی ہے اور ان میں باہم جو تطبیق پیدا فرمائی ہے وہ تراثِ اسلامی کا ایک عظیم سرمایہ ہے۔ آپ کے بیان کردہ تصورِ میزان کے مطابق شریعت ایک عظیم درخت ہے اور علماء کے اقوال اس درخت کی شاخیں اور ٹہنیاں ہیں۔ آپ کا قول ملاحظہ ہو:

''ان الشریعة کالشجرة العظیمة المنتشرة وأقوال علمائها

کالفروع والاغصان، فلا یوجد لنا فرع من غیر اصل ولا ثمرۃ من غیر غصن"[۱]

"شریعت مطہرہ ایک عظیم اور پھیلے ہوئے درخت کی طرح ہے اور علمائے شریعت کے اقوال اس درخت کی شاخیں اور ٹہنیاں ہیں۔ پس ہمیں کوئی بھی شاخ، جڑ کے بغیر اور کوئی بھی پھل، ٹہنی کے بغیر نہیں ملتا۔"

بعد ازاں آپ اختلاف کی حقیقت کو واضح کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ بلحاظِ امر و نہی، شریعت کا ایک مرتبہ نہیں بلکہ دو مرتبے ہیں، ایک تخفیف اور دوسرا تشدید۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ ایمان اور جسم کے اعتبار سے ہر دور میں مکلف دو اقسام کے ہیں، یا وہ قوی ہوں گے یا ضعیف۔ جو قوی ہیں وہ تشدید اور مبنی بر عزیمت احکام پر عمل کرنے کے مکلف ہیں اور جو ضعیف ہیں وہ رخصتوں والے احکام پر عمل کرنے کے مکلف ہیں۔ اس طرح دونوں طرح کے مکلفین ہدایت پر ہوں گے۔ قوی کو رخصت پر اتر آنے کا حکم نہیں دیا جائے گا اور نہ ضعیف کو عزیمت پر عمل کرنے کا پابند کیا جائے گا۔ جو شخص اس میزان پر عمل کرے گا وہ تمام ادلہ شرعیہ اور اقوالِ علماء کے اختلاف کو رفع کر دے گا۔[۲]

آپ اختلافِ ائمہ کو امت کے لیے باعثِ رحمت کہتے ہیں اور اس کی حکمت یہ بیان فرماتے ہیں کہ اس سے اُمت کے لیے تخفیف و سہولت کی کئی صورتیں سامنے آتی ہیں اور یہ دین میں وسعت اور دوام کے اوصاف کا بھی مظہر ہیں۔

امام شعرانیؒ کا پیش کردہ تصورِ میزان فقہ اسلامی میں ایک منفرد مقام رکھتا ہے۔ یہ دراصل آپ کا ایک اجتہادی کارنامہ ہے جس سے ائمہ فقہ کے باہمی اختلافات میں بایں طور تطبیق ہو جاتی ہے کہ ان کے کسی قول کو رد کرنے یا اس کے خلافِ شریعت ہونے کا قضیہ

۱۔ شعرانی، کتاب المیزان، بیروت: عالم الکتب، ۱۴۰۹ھ، ج ۱، ص ۵۹

۲۔ ایضاً، ص ۶۲، ۶۳

ہی ختم ہوجاتا ہے۔اس طرح ایک طرف تو ائمہ فقہ کے جملہ اقوال کی تصویب ہوجاتی ہے اور دوسری طرف مکلّفین کے لیے یُسر وتخفیف کے کئی پہلو سامنے آجاتے ہیں۔یوں شریعت اسلامیہ کا تاقیامت قابلِ عمل اور سدا بہار ہونے کا وصف، جوصرف اسی کے شایانِ شان ہے، ظاہروباہر ہوجاتا ہے۔

ضرورت واہمیت(Need of the Project):

مجوزہ تحقیق کی اہمیت وافادیت کے چند پہلو حسب ذیل ہیں:

۱۔ فقہاءِ اسلام کی آراء کے حوالے سے تطبیقی نقطۂ نظر سامنے آتا ہے۔

۲۔ فقہاءِ اسلام بالخصوص فقہاء اربعہ کے پیروکاروں کے مابین موجود کئی غلط فہمیوں کا ازالہ ہوتا ہے۔

۳۔ شریعت وطریقت کے تقاضوں کی عدمِ مناسبت کا تصور جو کہ افراط وتفریط پر منتج ہوتا ہے اور بسا اوقات صاحبانِ شریعت وطریقت کے مابین منافرت کا باعث بنتا ہے، تصورِ میزان اس غیر حقیقی اور غیر فطری فرق کو ختم کرنے میں اہم کردار ادا کرتا ہے۔

۴۔ تصورِ میزان کی روشنی میں فقہاء کرام کے اجتہادی اختلافات سے استفادہ کرتے ہوئے عصر حاضر میں اسلامی قانون سازی کے سلسلے میں مدد لی جاسکتی ہے۔

۵۔ موضوعِ تحقیق کی اہمیت اس لحاظ سے اور بھی نمایاں ہوجاتی ہے کہ امام شعرانی کے میزان پر اردو زبان میں اس سطح پر یہ اپنی نوعیت کا اوّلین کام ہے۔لہٰذا اُمید ہے کہ تکمیل کے بعد یہ مقالہ اسلامی قانون سازی کے میدان میں لائق استفادہ ہوگا۔

سابقہ کام کا جائزہ(Review Of Literature):

فقہی مسالک میں جمع وتوفیق کی کیا صورتیں ہوسکتی ہیں؟ اس بارے میں متقدمین فقہاء ومجتہدین کی کچھ آراء اصولِ فقہ کی کتابوں میں ''انتقال من المذھب'' اور ''عدول عن المذھب'' جیسے عنوانات کے تحت مختصر مباحث کی شکل میں نظر آتی ہیں۔

پانچویں صدی ہجری کے اندلسی محدث وفقیہ ابن حزم علی بن احمدؒ (م ۴۵۶ھ) نے نصوص میں حقیقی تعارض کا انکار کیا ہے، تاہم بظاہر نظر آنے والے تعارض (جو کہ فقہی اختلاف کی بنیاد بنتا ہے) کو انہوں نے چار اصولوں کے تحت تطبیق دی ہے۔ یوں ابن حزم کی اس کاوش کو فقہی تعارض کے رفع کی طرف پیش رفت قرار دیا جاسکتا ہے۔

آٹھویں صدی ہجری میں دو معروف شخصیات نے اس موضوع کو تفصیل سے عنوانِ بحث بنایا۔ پہلی شخصیت دمشق کے معروف عالم محمد بن ابی بکر معروف بابن قیم الجوزیہؒ (م ۷۵۱ھ) ہیں، جنہوں نے کتاب ''الطرق الحکمیہ فی السیاسۃ الشرعیۃ'' لکھی۔ یہ کتاب حکام وقضاۃ سے متعلق ان عدالتی وسیاسی اصولوں پر راہنمائی کرتی ہے جو شریعت نے عطاء کیے ہیں۔ ان مباحث کے ذیل میں ایسے طرق بھی بیان کیے گئے ہیں جن سے مختلف فیہ آراء کو جمع کرنے میں مدد ملتی ہے۔ علاوہ ازیں ''اعلام الموقعین'' میں ابن قیمؒ نے مقاصدِ شریعت، قواعدِ فقہیہ اور اصولِ ترجیح کو موضوع بنا کر فقہی اختلافات میں راہِ اعتدال دکھائی ہے۔ انہوں نے شریعت اسلامیہ کو عدل، رحمت، مصالح اور حکمت سے عبارت قرار دیا ہے۔ دوسری شخصیت اندلس کے ابواسحاق ابراہیم بن موسیٰ شاطبیؒ (م ۷۹۰ھ) کی ہے۔ بصارت سے محروم مگر بصیرت سے بھرپور امام شاطبیؒ نے اپنی کتاب ''الموافقات'' کی پانچویں قسم میں تعارض وترجیح پر تفصیلی کلام کیا۔ آپ نے فقہ کے اصولوں میں لفظی نزاع کو پس پشت ڈال کر معانی اور مقاصد پر توجہ مبذول کی اور شرع کے مقاصد پر انتہائی عمدہ اور مربوط کلام کرتے ہوئے فقہی اختلافات میں تطبیق وتوفیق کی کوشش کی۔

دسویں صدی ہجری میں امام شعرانیؒ نے اپنی تصنیف ''کتاب المیزان'' میں سیر حاصل بحث کرتے ہوئے میزان کے نام سے جو تصور پیش کیا وہ سب سے منفرد اور جداگانہ حیثیت کا حامل ہے۔ یہ مقالہ اس تصور کے جملہ پہلوؤں کے احاطہ پر مشتمل ہوگا۔

متاخرین فقہاء میں سے عبدالغنی نابلسیؒ (م ۱۱۴۳ھ) نے "خلاصة التحقيق في بيان حكم التقليد و التلفيق" نامی ایک رسالہ لکھا جو کہ چھ مقاصد پر مشتمل ہے۔ اس میں انہوں نے موافقتِ مذہب، تقلید اور تلفیق کے موضوعات پر بحث کی ہے۔

بارہویں صدی ہجری میں برصغیر کی ایک نابغہ شخصیت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ (م ۱۱۷۶ھ) نے اس موضوع پر قلم اٹھایا اور بہت واضح انداز میں اپنی رائے کا اظہار کیا۔ شاہ ولی اللہ نے "حجة الله البالغه" اور "الانصاف في بيان سبب الاختلاف" میں کچھ غیر محکم انداز میں اس موضوع پر اظہار خیال کیا مگر "عقد الجيد في احكام الاجتهاد و التقليد" میں آپ نے انتہائی محکم، مدلل اور تجزیاتی انداز اختیار فرماتے ہوئے مسالک اربعہ، خصوصاً حنفی اور شافعی مسالک کو قریب تر لانے کی مساعیٔ جمیلہ کیں۔

ماضی قریب میں ایک دِمشقی عالم محمد سعید البانی (م ۱۳۵۱ھ) نے ایک کتاب "عمدة التحقيق في التقليد و التلفيق" کے نام سے لکھی جو کہ حسن السماحی کی تحقیق کے ساتھ ۱۹۹۷ء میں دار القادری، دمشق و بیروت سے شائع ہوئی۔ اس کتاب میں علامہ سعید البانی نے جمیع ائمہ مجتہدین کو ہدایتِ ربی کا پیروکار قرار دیا اور یہ صراحت کی کہ ہر امام کا مسلک اس کے اور اس کے مقلدین کے حق میں اللہ کا دین ہی ہے۔ اسی طرح دمشق یونیورسٹی کے پروفیسر اور اسلامی قانون کے ممتاز ماہر ڈاکٹر وہبہ بن مصطفی زحیلی نے اپنی تالیف "الفقه الاسلامي و ادلته" میں نظریۂ تلفیق اور اختیار ایسر المذاہب کے عنوانات کو اپنی تحقیق کا موضوع بنایا ہے۔

مصر کے ڈاکٹر محمد صبری الدالی نے "الخطاب السياسي الصوفي في مصر--- قراءة في خطاب عبدالوهاب الشعراني للسلطة و المجتمع" کے نام سے ایک کتاب لکھی جو ۲۰۰۴ء میں دار الکتب المصریۃ، قاہرہ سے شائع کی گئی۔ اس کتاب میں امام شعرانی کی ان تحریروں کا جائزہ لیا گیا ہے جو سیاست اور حکام سے متعلق ہیں۔ یہ کتاب

امام شعرانی کے اپنے وقت کے حکام کے بارے میں مؤقف، صوفیہ اور حکام کے باہمی تعلق اور ایک دوسرے سے ملاقات کی شروط و کیفیت سے متعلق مباحث کا احاطہ کرتی ہے۔

ایک امریکی خاتون Kathryn Virginia Johnson نے ہارورڈ یونی ورسٹی سے امام شعرانی کے تصورِ ولایت پر پی۔ ایچ۔ ڈی کا مقالہ لکھا۔ ان کے مقالے کا عنوان "The Unerring Balance: A study of the Theory of Santity (wilayah) of Abd Al-Wahhab Al-Sha'rani" ہے۔ اس مقالہ میں ولایت، معاشرے میں اولیاء کے کردار، الہام کی حقیقت اور صوفیہ کے ہاں شریعت کی مرکزی حیثیت ایسے عنوانات کے تحت امام شعرانی کے خیالات کا تفصیلی جائزہ لیا گیا ہے۔

تل ابیب یونی ورسٹی، اسرائیل میں اسلامی تاریخ اور مشرق وسطٰی کی تاریخ کے پروفیسر Michael Winter نے امام شعرانی کی تحریروں کی روشنی میں اس دور کی مذہبی اور سیاسی صورت حال کا جائزہ لیا ہے۔ ان کی کتاب کا عنوان "Society and Religion in Early Ottoman Egypt: Studies in the Writings of Abd Al-Wahhab Al-Sha'rani" ہے۔ ابراہیم محمد ابراہیم نے اس کتاب کا "المجتمع المصری تحت الحکم العثمانی" کے نام سے عربی میں ترجمہ کیا۔ یہ ترجمہ دکتور عبدالرحمن عبداللہ الشیخ کی تعلیقات کے ساتھ ۲۰۰۱ء میں 'الھیئۃ المصریۃ العامۃ للکتاب' قاہرہ سے شائع کیا گیا۔

موضوع زیر بحث کے ایک ذیلی عنوان "فقہی احکام میں تخفیف و سہولت کے اسباب" پر (قاری) محمد اقبال (سابق چیئرمین شعبہ علوم اسلامیہ، زرعی یونیورسٹی فیصل آباد) نے ۱۹۸۹ء میں ڈاکٹر محمد اسحاق قریشی کی زیر نگرانی مقالہ لکھ کر علامہ اقبال اوپن یونی ورسٹی، اسلام آباد سے ایم۔ فل علوم اسلامیہ کی تکمیل کی۔ اس مقالہ میں انہوں نے تخفیف و تیسیر کی مختلف صورتیں اور مثالیں بیان کرتے ہوئے تخفیف کے فقہی اصول اور اسباب پر سیر

حاصل بحث کی ہے۔

حافظ محمد سعد اللہ (سابق مدیر سہ ماہی ''منہاج'' دیال سنگھ ٹرسٹ لائبریری لاہور) نے پروفیسر ڈاکٹر جمیلہ شوکت، ڈائریکٹر شیخ زاید اسلامک سنٹر، پنجاب یونیورسٹی، لاہور کی نگرانی میں علامہ اقبال اوپن یونی ورسٹی، اسلام آباد سے ''فقہی مسالک اور تلفیق و تطبیق۔تحقیقی جائزہ'' کے عنوان پر مقالہ لکھ کر سال ۲۰۰۰ء میں ایم۔فل علوم اسلامیہ کی ڈگری حاصل کی۔اس مقالہ میں انہوں نے مسالک اربعہ میں اختلاف رائے کی نوعیت اور فقہی مسالک میں تطبیق و تلفیق جیسے موضوعات پر گفتگو کرتے ہوئے شاہ ولی اللہ کی اعتدال پسندی اور تطبیقی مساعی کو خصوصی طور پر بحث کا موضوع بنایا ہے۔ان کا دعویٰ ہے کہ شاہ ولی اللہ سے پہلے گیارہ صدیوں تک کسی فقیہ و مجتہد نے فقہی آراء میں جمع و تطبیق کی طرف توجہ نہیں دی۔

ترکی یونیورسٹی، استنبول کے ایک پروفیسر ڈاکٹر اسماعیل کوکصال کی اس موضوع سے متعلق ایک تحریر منصۂ شہود پر آئی جس کا اردو ترجمہ و تلخیص بھوپال کے ڈاکٹر مسعود الرحمن خاں ندوی نے کی اور یہ سہ ماہی ''تحقیقاتِ اسلامی'' علی گڑھ، انڈیا کے اکتوبر۔دسمبر ۲۰۰۴ء کے شمارہ میں ''فقہی مذاہب کے درمیان تلفیق'' کے نام سے شائع ہوئی۔

ڈاکٹر عرفان خالد ڈھلوں کا ایک مضمون پنجاب یونیورسٹی کے مجلہ ''جہات الاسلام'' کے شمارہ جولائی۔دسمبر ۲۰۱۱ء میں ''فقہی اختلافات کا ظہور و نفوذ: ایک زاویۂ نظر'' کے عنوان سے شائع ہوا۔اس مضمون میں انہوں نے ان اسباب کا احاطہ کیا ہے جن کی وجہ سے صحابۂ کرامؓ کے مابین اختلافات کا ظہور ہوا۔صحابہؓ کی اختلافی آراء نے فقہ اسلامی میں کس حد تک اثرات مرتب کیے اور فقہی مذاہب کی تشکیل میں اختلافِ صحابہ کا کتنا کردار رہا، یہ ابحاث بھی مضمون کا حصہ ہیں۔

ایک بھارتی عالم ذیشان احمد مصباحی (استاذ جامعہ عارفیہ، الہ آباد، یو۔پی، انڈیا) کا

مضمون بعنوان "مسئلہ اجتہاد و تقلید امام شعرانی کی نظر میں" ماہنامہ 'جامِ نور' دہلی میں دسمبر ۲۰۱۳ء تا مارچ ۲۰۱۴ء، تین اقساط میں شائع ہوا، جس میں انہوں نے امام شعرانی کے تصورِ میزان کا جائزہ لیا اور ان کی فقہی توجیہ کو سب سے منفرد قرار دیا۔ تقلید کے وجوب کی نوعیت اور تقلید شخصی کے متعلق ائمہ فقہ کے خیالات پر امام شعرانی کا موقف بیان کرنے کے ساتھ ساتھ انہوں نے واضح کیا ہے کہ موجودہ دور نہ بے بصارت تقلید کا دور ہے اور نہ بے بصیرت اجتہاد کا عہد ہے۔ ان کا یہ مضمون بعض جزوی تبدیلیوں کے ساتھ تصوف کے سالانہ کتابی سلسلہ "الاحسان" الہ آباد کے شمارہ نمبر ۴، مارچ ۲۰۱۳ء میں بھی شائع ہوا۔

ڈاکٹر سعید احمد (پی۔ ایچ۔ ڈی، شیخ زید اسلامک سنٹر، پنجاب یونیورسٹی، لاہور) اور ڈاکٹر محمد اعجاز (ایسوسی ایٹ پروفیسر، شیخ زید اسلامک سنٹر، پنجاب یونیورسٹی، لاہور) کا ایک مشترکہ مضمون بہاؤ الدین زکریا یونیورسٹی، ملتان کے مجلہ "پاکستان جرنل آف اسلامک ریسرچ" کے جون ۲۰۱۳ء کے شمارہ میں بعنوان "امام عبدالوہاب شعرانی کا نظریۂ تطبیق" شائع ہوا۔ اس مضمون میں واضح کیا گیا ہے کہ سیکولر ذہنیت کے حامل افراد فقہی اختلافات کا سہارا لے کر اسلامی تعلیمات کی مخالفت کی جو مذموم سعی کرتے ہیں، اس کے سد باب کے لیے یہ باور کرنے کی ضرورت ہے کہ یہ اختلافات امت کے لیے سہولت اور یُسر کا باعث ہیں، نہ کہ تنگی اور باہمی منافرت پیدا کرنے کا سبب ہیں۔ نیز یہ بھی بتایا گیا ہے کہ ایک اجتماعی فقہ کی تدوین کی طرف عملی پیش قدمی میں امام عبدالوہاب شعرانی کی تطبیقی کاوشیں کس طرح رہنما اصولوں کا درجہ رکھتی ہیں۔

درجِ بالا جائزہ سے واضح ہوتا ہے کہ علماء نے مختلف ادوار میں فقہی مسالک کے اختلافات کی نزاکت کو محسوس کرتے ہوئے ان کو قریب لانے اور ان میں پائی جانے والی اختلافِ آراء کی خلیج کو پاٹنے کی مقدور بھر کاوشیں کیں، مگر اس ضمن میں زیادہ تر نظریۂ تلفیق، اختیار الیسر المذاہب، مراعاۃ الخلاف اور مقاصدِ شریعت جیسے موضوعات ہی زیر بحث

رہے ہیں۔ یہ تطبیقی تصورات اپنی جگہ نہایت اہمیت کے حامل ہیں مگر امام شعرانی کے تصورِ میزان کو نمایاں انفرادیت حاصل ہے، کیونکہ یہ زیادہ آسانی کے ساتھ ممکن العمل اور ان سے زیادہ جامعیت کا حامل ہے۔ راقم کی معلومات کے مطابق زیرِ نظر مقالہ سے پہلے امام شعرانی کے دیگر افکار پر تو کام ہوا ہے اور چند مضامین کی حد تک میزانِ شعرانی کا جائزہ بھی لیا گیا ہے، مگر اس موضوع پر کوئی مستقل اور تفصیلی کام ابھی تک منظر عام پر نہیں آیا۔ زیر نظر مقالہ میں میزانِ شعرانی کے جملہ پہلوؤں کا بھرپور احاطہ کیا جائے گا اور ان کی روشنی میں دورِ حاضر کے اختلافی فقہی مسائل کے حل کا لائحہ عمل پیش کرنے کی کوشش کی جائے گی۔

منہجِ تحقیق (Research Methodology):

☆ مقالہ بیانیہ اور دستاویزی اسلوب میں تحریر کیا جائے گا۔

☆ جی۔سی یونیورسٹی فیصل آباد کے وضع کردہ اسلوبِ تحقیق کو مدنظر رکھا جائیگا۔

◆◆◆

تبویب

باب اوّل: امام عبدالوہاب شعرانی: احوال و آثار

فصل اوّل: عہدِ شعرانی کے علمی و تہذیبی احوال

فصل دوم: امام شعرانی کے آثارِ حیات

فصل سوم: امام شعرانی کا علمی مقام و مرتبہ

فصل چہارم: امام شعرانی کی تالیفات

فصل پنجم: کتاب المیزان (المیزان الکبریٰ) کا تعارف

باب دوم: امام شعرانی کا تصورِ میزان - ایک عمومی تعارف

فصل اوّل: اختلافِ ائمہ۔ امت کے لیے سہولت کا سبب

فصل دوم: تصورِ میزان اور اس کی انفرادی حیثیت

فصل سوم: فقہی اقوال میں مکلف کے اخذ و ردّ کے اختیار کا مسئلہ

فصل چہارم: مذاہبِ اربعہ کے برحق ہونے کا نظریہ

فصل پنجم: فقہی اقوال میں اختلاف اور اقوالِ مرجوحہ کی حقیقت

باب سوم: تصورِ میزان اور دیگر تطبیقی تصورات

فصل اوّل: فقہی احکام میں تخفیف و سہولت کے اسباب اور تطبیق

فصل دوم: فقہی اختلافات اور نظریۂ تلفیق

فصل سوم: اختیار الیسر المذاہب اور مراعاۃ الخلاف

فصل چہارم: نظریۂ مقاصد الشریعہ بطور تطبیقی کاوش

فصل پنجم: تصورِ میزان اور دیگر نظریات کا موازنہ

باب چہارم: اختلافِ ائمہ میں تطبیق۔ شعرانی کے تصورِ میزان کے تناظر میں

فصل اوّل: عبادات کے باب میں فقہی اختلافات اور تصورِ میزان

فصل دوم: احوالِ شخصیہ میں فقہی اختلافات اور تصورِ میزان

فصل سوم: معاملات و معاشرت میں فقہی اختلافات اور میزانِ عرانی

فصل چہارم: قضاء و شہادت میں فقہی اختلافات اور میزانی تطبیق

فصل پنجم: عقوبات میں فقہی اختلافات اور تصورِ میزان

باب پنجم: تصورِ میزان سے عصر حاضر میں استفادہ کی صورتیں

فصل اوّل: تصورِ میزان کے مابعد علماء پر اثرات

فصل دوم: عصرِ حاضر میں تصورِ میزان کی ضرورت واہمیت

فصل سوم: فتویٰ نویسی میں تصورِ میزان سے استفادہ

فصل چہارم: ملکی قانون سازی اور تصورِ میزان

فصل پنجم: جدید فقہی مسائل اور میزانِ شعرانی

خلاصہ بحث:

☆ نتائج وسفارشات

فہارس:

☆ آیات بینات

☆ احادیث نبویہ

☆ اعلام

☆ اماکن

مجوزہ مصادر و مراجع

★ القرآن الکریم

★ ابنِ رشد، محمد بن احمد القرطبی، بدایة المجتھد و نھایة المقتصد، بیروت: دار المعرفة، ۱۴۰۲ھ

★ ابنِ عاشور، محمد طاھر، مقاصد الشریعة الاسلامیة، تیونس: مطبعة الاستقامة، ۱۳۶۶ھ

★ ابنِ قیم الجوزیة، اعلام الموقعین عن رب العالمین، بیروت: دار الجیل، س ن

★ ابنِ منظور، محمد بن مکرم الافریقی، لسان العرب، بیروت: المکتب الاسلامی، ۱۳۸۸ھ

★ البانیؒ، سعید بن عبد الرحمان، عمدة التحقیق فی التقلید والتلفیق، دمشق: دار القادری، ۱۹۹۷ء

★ البوطی، محمد بن سعید، ضوابط المصلحة، بیروت: مؤسسة الرسالة، ۱۳۹۳ھ/۱۹۷۳ء

★ شاطبی، ابو اسحاق ابراھیم بن موسیٰ، الاعتصام، القاھرہ: مطبعة السعادة، س ن

★ شاطبی، الموافقات فی اصول الشریعة، الخبر (سعودیہ): دار ابن عفان، ۱۴۱۷ھ

★ شاہ ولی اللہ، احمد بن عبدالرحیم، عقد الجید فی احکام الاجتہاد والتقلید، القاہرۃ: المطبعۃ السلفیۃ، ۱۳۸۵ھ

★ شاہ ولی اللہ، حجۃ اللہ البالغۃ، بیروت: دارإحیاء العلوم، ۱۴۱۳ھ/۱۹۹۲ء

★ شعرانی، عبدالوہاب بن احمد، کتاب المیزان، (تحقیق: عبدالرحمن عمیرۃ)، بیروت: دار الکتب العلمیۃ، ۱۴۰۹ھ

★ شعرانی، ارشاد الطالبین الی مراتب العلماء العاملین، قاہرہ: دارۃ الکرز، ۲۰۰۶ء

★ شعرانی، الانوار القدسیۃ فی بیان آداب العبودیۃ، مصر: مطبعۃ العامرۃ العثمانیۃ، ۱۳۱۷ھ

★ شعرانی، الانوار القدسیۃ فی معرفۃ قواعد الصوفیۃ، بیروت: مکتبۃ المعارف، ۱۹۸۸ء

★ شعرانی، الانوار فی آداب الصحبۃ عند الاخیار، دمشق: مکتبۃ ابی ایوب الانصاری، ۲۰۰۷ء

★ شعرانی، الجواہر والدرر الکبریٰ، مکۃ المکرمۃ: مکتبۃ جامعۃ الملک سعود، مخطوط برقم ۵۲۴۰

★ شعرانی، الجوہر المصون والسر المرقوم، قاہرہ: دار جوامع الکلم، س ن

★ شعرانی، الدرر واللمع فی بیان الصدق فی الزہد والورع، قاہرہ: دارۃ الکرز، ۲۰۰۵ء

★ شعرانی، القواعد الکشفیۃ الموضحۃ لمعانی الصفات الالٰہیۃ، دمشق،

دار التقویٰ، ۲۰۰۹ء

★ شعرانی، الکبریت الاحمر فی بیان علوم الشیخ الاکبر، بیروت: دار الکتب العلمیۃ، ۱۹۹۸ء

★ شعرانی، الکوکب الشاھق فی الفرق بین المرید الصادق و غیر الصادق، اسکندریہ: دار المعارف، ۱۹۹۱ء

★ شعرانی، الیواقیت والجواھر فی بیان عقائد الاکابر، بیروت: دار احیاء التراث العربی، س ن

★ شعرانی، تنبیہ المغترین، قاھرہ: المکتبۃ التوفیقیۃ، س ن

★ شعرانی، درر الغواص علی فتاویٰ سیدی علی الخواص، قاھرہ: المکتبۃ الازھریۃ، س ن

★ شعرانی، کشف الغمۃ عن جمیع الامۃ، مصر: مطبعۃ العامرۃ العثمانیۃ، ۱۸۸۵ء

★ شعرانی، لطائف المنن والأخلاق، دمشق: دار التقویٰ، ۲۰۰۴ء

★ شعرانی، لواقح الانوار القدسیۃ فی بیان العھود المحمدیۃ، حلب: دار القلم العربی، ۱۹۹۳ء

★ شعرانی، لواقح الانوار فی طبقات الاخیار (الطبقات الکبریٰ)، بیروت: دار الکتب العلمیۃ، ۱۹۹۷ء

★ شعرانی، مختصر الاعتقاد للإمام البیھقی، قاھرہ: دارۃ الکرز، ۲۰۰۸ء

★ شعرانی، مختصر تذکرۃ الامام السویدی فی الطب،

★ شعرانی، مختصر تذکرۃ القرطبی، قاھرہ: شرکۃ عیسیٰ البابی الحلبی، س ن

★ شعرانی، مشارق الانوار القدسیة فی بیان العهود المحمدیة، مکة المکرمة: مکتبة جامعة الملک سعود، مخطوط برقم ۲۱۸ م۔ش

★ شعرانی، منح المنة فی التلبس بالسنة، حلب: دار الکتاب النفیس، ۱۴۲۳ھ

♦♦♦

مجوزہ کتب برائے استفادہ ومطالعہ:

☆ کیف تکتب بحثا أو رسالة، احمد شلبی مصری

☆ کیف تکتب بحثا أو تحقق نَصًا۔ ڈاکٹر محمد نغش، طبعة اولی، القاہرة، مطبعة الحلبی، ۱۹۹۰م

☆ اصول کتابة البحث العلمی، ڈاکٹر یوسف مرعشلی، طبعة أولی، لبنان، دار المعرفة ۲۰۰۳م

☆ کیف تکتب بحثا او منہجیة البحث، ڈاکٹر یعقوب امیل، لبنان، ۱۹۸۶

☆ لائبریری سائنس اور اصول تحقیق، جمیل احمد رضوی، مقتدرہ قومی زبان، اسلام آباد

☆ تحقیقی مقالہ نگاری، پروفیسر محمد عارف، لاہور، ادارہ تالیف وترجمہ، پنجاب یونیورسٹی ۱۹۹۹ء

☆ اصول تحقیق، عبدالحمید خان عباسی، نیشنل بک فاؤنڈیشن اسلام آباد ۲۰۱۲ء

☆ Research in Education by John W.Best

☆ The Research paper Farmand content by Andrey J.Roth

☆ Introduction to Research by Hlillway Tyrus 2nd

edition 1964. Boston: Htoughton Mifftn co.

سوالات:

(۱) موضوع اور عنوان میں کیا فرق ہے؟ اور بتایئے تحقیقی کام میں عنوان کی کیا اہمیت ہے؟

(۲) اچھے موضوع کے انتخاب کی بنیادی شرائط کون کون سی ہیں؟

(۳) وہ کون سے وسائل، ذرائع اور طرق ہیں جن سے آپ موضوع کے انتخاب میں مدد لے سکتے ہیں۔؟

(۴) وہ کون سے امور ہیں جن کو خاکہ سازی کے دوران ملحوظ خاطر رکھنا چاہیے؟

(۵) کسی ایسے عنوان کا انتخاب کیجیے جس کے بارے میں آپ کافی معلومات رکھتے ہوں، پھر اس عنوان کا خاکہ تحقیق بھی تیار کیجیے۔

•••

مصادر و مراجع کی تحدید

اہداف و مقاصد:

اس باب کے مطالعہ کے بعد آپ اس قابل ہوسکیں گے کہ:

۱۔ مصادر اور مراجع کا مفہوم اور ان میں فرق کر سکیں۔

۲۔ اَوّلین و ثانوی مآخذ کی پہچان اور ان کی اقسام سے جان کاری۔

۳۔ جدید مصادر کی مختلف شکلوں سے آگاہی۔

۴۔ مصادر و مراجع سے استفادہ و نقل کرنے کے اصولوں سے واقفیت۔

۵۔ مختلف علوم و فنون کے اساسی و بنیادی مصادر کے بارے جان سکیں۔

مصادر و مراجع کا مفہوم:

مصادر و مراجع سے مراد وہ کتابیں ہیں جن سے تحقیق کے لیے مواد لیا جاتا ہے۔ مصادر و مراجع کے لیے مآخذ اور منابع کی مصطلحات بھی مستعمل ہیں۔ بنیادی طور پر مصادر و مراجع میں دقیق سا فرق ہے:

مصادر مصدر کی جمع ہے جس کا معنی ہے صادر ہونے کی جگہ یا نکلنے کی جگہ۔ کسی موضوع پر بنیادی و اساسی کتب کو مصادر کہتے ہیں، جبکہ مراجع مرجع کی جمع ہے جس کا معنی ہے رجوع کی جگہ، اصطلاحی طور پر کسی موضوع پر ثانوی کتب کو مراجع کہتے ہیں۔ یہ ایسی کتب ہوتی ہیں جو اپنے سے پہلی کتب کو بنیاد بنا کر لکھی گئی ہوتی ہیں۔

مصادر و مراجع میں فرق کے لیے ایک مثال پیش کرتے ہیں۔ ڈاکٹر علی جواد طاہر مصادر و مراجع میں فرق کرتے ہوئے کہتے ہیں:

مصادر سے مراد کسی موضوع پر لکھی گئیں قدیم کتابیں ہیں جن سے مواد لینے کے لیے

محقق ان سے استفادہ کرتا ہے، جبکہ مراجع سے مراد جدید کتابیں جنہیں جدید یا ہم عصر مؤلفین نے ہمارے لیے کسی قدیم موضوع پر تحریر کیا ہو۔

مصادر و مراجع کی اہمیت:

تحقیقی عمل میں مصادر و مراجع کی بہت زیادہ اہمیت ہے خواہ وہ بنیادی مصادر ہوں یا ثانوی، بلکہ اگر یوں کہا جائے کہ تحقیقی عمل میں مصادر ریڑھ کی ہڈی کی حیثیت رکھتے ہیں تو بے جا نہ ہوگا۔ مصادر و مراجع کی اہمیت کو درج ذیل نکات سے واضح کیا جاسکتا ہے جن میں کچھ ڈاکٹر عبدالحمید عباسی نے اپنی کتاب اصول تحقیق میں ذکر کیے ہیں:

۱۔ تحقیق کا سفر مصادر و مراجع کی روشنی میں طے پاتا ہے۔
۲۔ مصادر کے بغیر حقائق منظر عام پر نہیں لائے جاسکتے۔
۳۔ ماخذ کے بغیر مختلف روایات یا شخصیات میں تقابل ممکن نہیں۔
۴۔ ماخذ کے بغیر علمی سرقہ کی نشاندہی ممکن نہیں۔
۵۔ مصادر کے بغیر قدیم شخصیات یا موضوعات پر گفتگو ممکن نہیں۔
۶۔ مصادر کے بغیر کسی بات کی توثیق یا تردید ممکن نہیں۔
۷۔ ماخذ کے بغیر کسی قسم کی تحقیقی صلاحیتوں اور کارناموں پر روشنی نہیں ڈالی جاسکتی۔
۸۔ منابع کے بغیر قدیم علمی ورثہ تک رسائی ممکن نہیں ہوسکتی۔
۹۔ ماخذ کے بغیر مستند اور معروضی نوعیت کی حامل تحقیق ممکن نہیں۔
۱۰۔ ماخذ و منابع کے بغیر فہرست کتب، تصحیح و تدوینِ متن، حواشی و تعلیقات اور حوالے کا اندراج جیسے تحقیقی اقدام اٹھانا ممکن نہیں۔
۱۱۔ مصادر و مراجع کے بغیر قدیم علمی ورثہ سے استفادہ ممکن نہیں۔

مختصراً یوں کہہ سکتے ہیں کہ جدید تحقیق کی بنیاد و اساس یہی مصادر و مراجع ہیں۔ عدم دستیابی کی صورت میں نئے حقائق کی دریافت کا راستہ بند ہوجاتا ہے اور انسان جہالت کے

گھٹا ٹوپ اندھیروں میں ڈوب جاتا ہے۔

ماخذ ومنابع اوران کی اقسام:

ماخذ ومنابع کی دو اقسام ہیں ایک بنیادی اور دوسرے ثانوی۔ بنیادی ماخذ ومنابع کو مصادر جبکہ ثانوی ماخذ ومنابع کو مراجع کہتے ہیں۔ بنیادی اور ثانوی ماخذ کا تعین ایک مشکل مرحلہ ہے کیونکہ موضوع وعنوان کے تبدیل ہونے سے مصادر ومراجع کی حیثیت تبدیل ہو جاتی ہے۔ عام طور پر تجربے، ذاتی تفتیش وتلاش، انٹرویوز، سوال نامے، تحقیقی مقالات، خطوط، ڈائریاں، خودنوشت سوانح حیات، متن اور ادب کی تخلیقی تحریریں، اداروں کی روئیدادیں، اخبارات، مخطوطات، فرامین اور دواوین وغیرہ کو بنیادی ماخذ کہتے ہیں جبکہ نصابی کتب، جنتریاں، دائرۃ المعارف، نصوص کے تراجم اور خلاصے ثانوی مصادر کہلاتے ہیں۔ اس حوالہ سے سید جمیل احمد رضوی کہتے ہیں:

> ''بعض اوقات تحقیق کی نوعیت سے مصادر کی نوعیت بدل جاتی ہے مثلاً نصابی کتابوں کو ثانوی مصادر میں شمار کیا جاتا ہے لیکن کوئی محقق شعبہ تعلیم میں نصابی کتب کی ترتیب وتدوین پر کام کر رہا ہو تو اس صورت میں نصابی کتابیں ثانوی کی بجائے بنیادی ماخذ کی حیثیت اختیار کر جائیں گی''۔

مصادر ومراجع سے استفادہ کے اصول وضوابط:

ماخذ بنیادی ہوں یا ثانوی، ان سے معلومات لینے اور استفادہ کرنے کے کچھ اصول وضوابط ہیں جن کو ماہرینِ تحقیق نے بڑی تفصیل سے بیان کیا ہے چند ایک ضروری اصول درج ذیل ہیں:

۱۔ معلومات ہمیشہ اوّلین یعنی اساسی وبنیادی ماخذ سے لیں۔ اگر وہی معلومات ثانوی ماخذ ومنابع میں بھی ہوں تو بنیادی واساسی ماخذ کو ان پر ترجیح دیں، چونکہ مصادر کی

موجودگی میں مراجع سے نقل کرنا تحقیق کے اصولوں کے منافی ہے۔

۲۔ معلومات بنیادی کتب سے لیں یا ثانوی کتب سے ان کے نقل کرنے کے تین طریقے ہیں:

(i) معلومات اسی طرح اتار لی جائیں کوئی بھی تبدیلی نہ کی جائے۔

(ii) معلومات خلاصہ کی شکل میں بھی لکھی جا سکتی ہیں۔

(iii) معلومات چند مشکل کلمات کی تبدیلی سے بھی نقل کی جا سکتی ہیں۔

۳۔ اگر آپ نے معلومات ثانوی مآخذ سے لی ہیں تو حوالہ بھی ثانوی مآخذ کا ہی دیں، اساسی مآخذ کا حوالہ دینے کی کوشش نہ کریں، کیونکہ یہ علمی بددیانتی ہے اور تحقیق کی روح کے منافی ہے۔

۴۔ اگر ایک مسئلہ یا خبر کے بارے میں معلومات کئی مصادر میں ہوں تو سب سے پہلے قدیم ترین مصدر کو ترجیح دی جائے گی اور اسی کا حوالہ دینا تحقیق کے اصولوں کے مطابق اور عین موافق ہوگا۔

۵۔ حواشی کے اندر مصادر و مراجع کا تکرار مناسب نہیں یعنی اگر حوالہ مصدر کا دے دیا، تو ثانوی کتب سے مزید حوالے دینے کی ضرورت نہیں، مصدر کا حوالہ ہی کافی ہے۔

۶۔ اگر مختلف مصادر میں کسی مسئلہ یا خبر یا سنِ وفات میں اختلاف ہو، تو تحقیق کیے بغیر کسی مصدر کو ترجیح نہ دی جائے۔

۷۔ جدید مصادر سے معلومات اخذ کرتے ہوئے بہت ہی احتیاط سے کام لینا چاہیے۔

معروف ادبی و اسلامی مصادر کی تحدید و تعیین:

مصادر و مراجع کی پہچان چونکہ ایک مشکل اور دقیق مسئلہ ہے اور محقق سے وافر مطالعہ کا متقاضی ہے، اس لیے مختلف علوم و فنون کے چند بنیادی مصادر کو ذکر کرتے ہیں تاکہ محققین طلبہ بھرپور استفادہ کر سکیں کیونکہ اولین مصادر کی تحدید و تعیین تحقیق کا اہم ترین

مرحلہ ہے۔

تفسیر بالماثور کے بنیادی مصادر:

۱۔ جامع البیان عن تاویل آی القرآن، المعروف بتفسیر طبری، از محمد بن جریر الطبری

۲۔ معالم التنزیل معروف بتفسیر بغوی از حسین بن مسعود بغوی

۳۔ تفسیر القرآن العظیم، معروف بتفسیر ابن کثیر از اسماعیل بن عمرو

۴۔ الدر المنثور از جلال الدین سیوطی (عبدالرحمن بن ابی بکر)

تفسیر بالرأی کے بنیادی مصادر:

۱۔ الکشاف عن حقائق التنزیل وعیون الأقاویل فی وجوہ التاویل۔ از جاراللہ محمود بن عمر الزمخشری۔

۲۔ البحر المحیط از ابو حیان اندلسی (محمد بن یوسف)

۳۔ مفاتیح الغیب از فخر الدین رازی (محمد بن عمر)

۴۔ فتح القدیر فی الجمع بین الروایۃ والدرایۃ فی التفسیر از محمد بن علی الشوکانی

۵۔ محاسن التاویل معروف بتفسیر القاسمی از محمد جمال الدین القاسمی

تفسیر فقہی کے بنیادی مصادر:

۱۔ احکام القرآن از احمد بن علی الجصاص۔

۲۔ احکام القرآن از محمد بن ادریس الشافعی۔ جمع و ترتیب احمد بن حسین البیھقی۔

۳۔ الجامع لأحکام القرآن از محمد بن احمد القرطبی

علوم القرآن کے بنیادی مصادر:

۱۔ البرھان فی علوم القرآن از محمد بن عبداللہ الزرکشی۔
۲۔ الاتقان فی علوم القرآن از جلال الدین السیوطی
۳۔ مناھل العرفان فی علوم القرآن از محمد عبد العظیم الزرقانی

احادیث نبویہ اور علوم حدیث کے بنیادی مصادر:

۱۔ کتب احادیث ستہ شھیرۃ
۲۔ الموطا از مالک بن أنس
۳۔ مصنف از عبدالرزاق بن ھمام

اصول الحدیث کے اہم مصادر:

۱۔ المحدث الفاصل بین الراوی و الواعی از قاضی حسن بن عبدالرحمن الرامھرمزی
۲۔ معرفۃ علوم الحدیث از محمد بن عبداللہ نیساپوری
۳۔ الکفایۃ فی علم الروایۃ از احمد بن علی خطیب بغدادی
۴۔ علوم الحدیث از عثمان بن عبدالرحمن معروف بابن الصلاح
۵۔ تدریب الراوی فی شرح تقریب النواوی از جلال الدین السیوطی

جرح وتعدیل کے اہم مصادر:

۱۔ الضعفاء از محمد بن اسماعیل البخاری
۲۔ الجرح و التعدیل از عبدالرحمن بن ابی حاتم الرازی
۳۔ میزان الاعتدال از حافظ شمس الدین محمد بن احمد الذھبی
۴۔ لسان المیزان از ابن حجر العسقلانی (احمد بن علی)

فقہ کے اہم مصادر:

۱۔ المبسوط از محمد بن احمد السرخسی
۲۔ بدائع الصنائع از ابو بکر الکاشانی
۳۔ ھدایة شرح بدایة المبتدی از علی بن ابی بکر مرغینانی
۴۔ بدایة المجتهد و نهایة المقتصد از محمد بن احمد بن رشد
۵۔ الأم از امام محمد بن ادریس الشافعی
۶۔ المغنی از ابن قدامة المقدسی (عبداللہ بن احمد)

لغت کے اہم مصادر:

۱۔ کتاب العین از خلیل بن احمد الفراهیدی
۲۔ جمهرة اللغة از ابن درید (محمد بن حسن)
۳۔ مقاییس اللغة از ابن فارس (احمد بن فارس)
۴۔ المحکم والمحیط الأعظم از ابن سیده
۵۔ الصحاح از جوهری (اسماعیل بن حماد)
۶۔ القاموس المحیط از فیروز آبادی (محمد بن یعقوب)
۷۔ تاج العروس از زبیدی (محمد مرتضی)

صرف ونحو کے اہم مصادر:

۱۔ الکتاب از سیبویه (عمرو بن عثمان)
۲۔ شرح ابن عقیل از محمد جمال الدین
۳۔ الانصاف فی مسائل الخلاف بین النحویین البصریین والکوفیین از عبدالرحمن الانباری
۴۔ مغنی اللبیب از ابن هشام (عبداللہ بن یوسف)

۵۔ المفصل فی صناعة الإعراب از جار اللہ زمخشری (محمود بن عمر)

ادب کے اہم مصادر

(ا) شعری مصادر

۱۔ المعلقات، جمع و تھقیق حماد الراویة
۲۔ المفضلیات از مفضل بن محمد الضبیی
۳۔ الأصمعیات از اصمعی (عبد الملک بن قریب)
۴۔ جمھرة أشعار العرب از محمد بن ابی الخطاب القرشی
۵۔ دیوان الحماسة از ابو تمام (حبیب بن أوس)
۶۔ کتاب الحماسة از بحتری (الولید بن عبید)

(ب) نثری مصادر

۱۔ البیان و التبیین از جاحظ (عمرو بن بحر)
۲۔ الکامل فی اللغة و الادب از مبرد (محمد بن یزید)
۳۔ العقد الفرید از ابن عبد ربہ (احمد بن عبد ربہ)
۴۔ الأمالی از القالی (اسماعیل بن القاسم)

سیرت کے اہم مصادر:

۱۔ مغازی رسول اللہ ﷺ از الواقدی (محمد بن عمر)
۲۔ سیرة النبی ﷺ از ابن ھشام (عبد الملک بن ھشام)
۳۔ الطبقات الکبری از ابن سعد (محمد بن سعد)
۴۔ الشفاء بتعریف حقوق المصطفیٰ از قاضی عیاض بن موسیٰ
۵۔ سیرة الرسول ﷺ از طبری (محمد بن جریر)
۶۔ دلائل النبوة از ابو نعیم (احمد بن عبد اللہؒ)

تاریخ اسلام کے اہم مصادر:

۱۔ تاریخ الأمم والملوک از طبری (محمد بن جریر)
۲۔ المقتبس فی اخبار بلد الأندلس از ابن حبان (حیان بن خلف)
۳۔ المنتظم فی تاریخ الملوک والأمم از ابن الجوزی (عبدالرحمن بن علی)
۴۔ الکامل فی التاریخ از ابن اثیر (علی بن ابی محمد)
۵۔ تاریخ الإسلام از ذہبی (محمد بن احمد)
۶۔ البدایة والنهایة از ابن کثیر (اسماعیل بن کثیر)
۷۔ کتاب العبر از ابن خلدون (عبدالرحمن بن خلدون)
۸۔ نفح الطیب من غصون الاندلس الرطیب از مقری (احمد بن محمد)

مصادر أنساب:

۱۔ جمهرة أنساب العرب از ابن حزم (علی بن احمد)
۲۔ کتاب الانساب از السمعانی (عبدالکریم بن محمد)
۳۔ نهایة الأرب فی معرفة انساب العرب از قلقشندی۔ (احمد بن علی)

تراجم اعلام کے اہم مصادر:

۱۔ الاستیعاب فی معرفة الأصحاب از ابن عبدالبر (یوسف بن عبداللہ)
۲۔ أسد الغابة فی معرفة الصحابة از ابن أثیر (علی بن محمد)
۳۔ الإصابة فی تمییز الصحابة از ابن حجر العسقلانی (احمد بن علی)
۴۔ تذکرة الحفاظ از ذہبی (محمد بن احمد)
۵۔ تهذیب التهذیب از ابن حجر العسقلانی (احمد بن علی)
۶۔ سیر اعلام النبلاء از ذہبی (محمد بن احمد)

۷۔ معجم الأدباء از یاقوت الحموی

جدید مآخذ و منابع اور ان کے ذرائع:

جدید دور سائنس اور ٹیکنالوجی کا دور ہے اس ترقی نے ہر میدان پر اثرات چھوڑے ہیں خاص طور پر تعلیم و تعلم اور بحث و تحقیق کے میدان میں۔ اس ترقی نے تحقیق و تفحیص کو بہت ہی آسان اور تیز تر کر دیا ہے یہی وجہ ہے کہ جدید مصادر تحقیق میں تنوع آ گیا ہے اور مصادر مختلف شکلیں اختیار کر چکے ہیں، جب کہ اس سے پہلے ایک ہی ذریعہ تھا وہ تھا مخطوط یا کتاب۔

دور حاضر کے جدید مصادر، مراجع، مآخذ و منابع درج ذیل ہیں:

۱۔ تحقیقی مجلات (Research Journals)

۲۔ دوریات (Periodicals)

۳۔ اخبارات و رسائل (News Papers)

۴۔ سرکاری رپورٹیں (Offical Reports)

۵۔ دستاویزات (Archives)/ (Documents)

۶۔ تحقیقی مقالات (Research Theses)

۷۔ مضامین (Articles)

۸۔ روئیدادیں (Proceedings)

۹۔ ویڈیو فلمیں (Video Movies)

۱۰۔ کانفرنسیں (Conferences)

۱۱۔ سیمینارز (Seminars)

۱۲۔ لیکچرز و محاضرات (Lectures)

۱۳۔ مکالمات (Dialogues)

۱۴۔ انٹرویوز(Interviews)

۱۵۔ مناظرے(Debates)

۱۶۔ تقریریں(Speaches)

۱۷۔ خطوط/مراسلت(Letters)

جس طرح جدید مصادر میں تنوع ہے اسی طرح جدید ذرائع معلومات میں بھی تنوع ہے چند معروف جدید ذرائع معلومات حسب ذیل ہیں۔

۱۔ ریڈیو(Radio)

۲۔ ٹی وی(T.V)

۳۔ کمپیوٹر(Computer)

۴۔ نیٹ(Net)

۵۔ سیٹ لائٹس (Satellites)

۶۔ الیکٹرونک کتب خانے(E.Libraries)

۷۔ ویب سائٹس(Websites)

۸۔ سرچ انجن(Search Engines)

مجوزہ کتب برائے استفادہ ومطالعہ:

۱۔ البحث الأدبی: طبیعته ، مناهجه ، أصوله، مصادره الدکتور شوقی ضیف، القاهرة، دارالمعارف، ۱۹۸۶

☆ Introduction to Research by Tyrus Hillway, 2nd edition, Boston: Houghtor Mifflin Co,1974

☆ Research methods in librarianship by charles H.Busha and Stephen, New York,1980

☆ Methods in Research by C.V.Good and D.E Scates, New York 1945

۲۔ المدخل إلى استخدام الحاسوب لطلاب اللغة العربية، الدكتور عبدالماجد نديم، طبعة اولى، اورینٹل بکس، لاہور ۲۰۱۰ء
۳۔ اسلامی تحقیق کے جدید ذرائع، سید حیدر علی بخاری، مقالہ ایم، اے، کالج آف شریعہ، منہاج یونیورسٹی، لاہور ۲۰۰۷۔۰۸ء
۴۔ تعلیمی تحقیق، ڈاکٹر احسان اللہ خان بک ٹریڈرز، لاہور
۵۔ اصول تحقیق، ڈاکٹر عبدالحمید خان عباسی، نیشنل بک فاؤنڈیشن، اسلام آباد 2012ء
۶۔ تحقیق وتدوین کا طریقہ کار، ڈاکٹر خالق داد ملک، اورینٹل بکس، لاہور

سوالات:

۱۔ مصادر ومراجع کے مابین فرق کی مثالوں سے وضاحت کیجیے۔

۲۔ اولین وثانوی مآخذ کی اقسام کون کون سی ہیں اور تحقیقی عمل میں ان کی پہچان کیسے ممکن ہے۔؟

۳۔ جدید مصادر ومراجع کی مختلف شکلیں کون سی ہیں۔؟

۴۔ مصادر و مآخذ سے نقل کرنے کے بنیادی اصول مقالہ کی قدر و قیمت کے تعین میں کیا کردار ادا کرتے ہیں؟

۵۔ مختلف علوم وفنون کے اساسی و بنیادی مصادر کا تعین کیجیے تاکہ تحقیقی کام کے دوران مشکلات سے بچا جا سکے۔

۶۔ کسی معیاری مقالہ کا انتخاب کیجیے اور اس کے مصادر ومراجع کا الگ الگ تعین کیجیے۔

•••

مواد کی جمع آوری، جانچ پڑتال اور حزم واحتیاط

اہداف ومقاصد:

اس باب کے مطالعہ کے بعد آپ اس قابل ہو جائیں گے کہ:

(۱) مواد کی قسموں اور تلاش کرنے کی جگہوں سے آ گاہی ہو۔

(۲) نوٹ لینے کے طریقے اور خوبیاں جان سکیں۔

(۳) مواد کی پرکھ اور حزم واحتیاط کے گر سیکھ سکیں۔

(۴) اقتباس، اس کی حدود، قیود اور علمی وتحقیقی کام میں اس کی اہمیت سے آ گاہ ہوسکیں۔

مواد کی جمع آوری، جانچ پڑتال اور حزم واحتیاط تحقیقی کام کے مراحل میں ایک اہم ترین مرحلہ ہے کیونکہ اسی پر علمی وتحقیقی کام کا انحصار ہے، اور اسی سے اس کام کی قدر و قیمت کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے اس لیے ضروری ہے کہ محقق کے پاس ایسے مصادر ومراجع ہوں جن کی مدد سے وہ اپنے موضوعِ تحقیق کے بارے میں مواد اکٹھا کر سکے۔ جیسا کہ ہم پہلے یہ ذکر کر چکے ہیں یہ دور سائنس اور ٹیکنالوجی کا دور ہے اس میں مصادرِ تحقیق میں تنوع ہے اور یہ مصادر مختلف شکلیں اختیار کر چکے ہیں، لہٰذا اس کثرتِ مآخذ ومنابع کی وجہ سے مواد بھی کثیر اور متعدد قسم کا ہو گیا ہے۔ ڈاکٹر گیان چند نے دو مختلف بنیادوں پر مواد کو تقسیم کیا ہے کہتے ہیں:

ادبی مواد متعدد قسم کا ہوتا ہے دو مختلف بنیادوں پر مواد کی دو قسمیں ہوتی ہیں:

۱۔ اوّلین (Primary) اور ثانوی

۲۔ داخلی اور خارجی

اسی طرح ڈاکٹر خالق داد ملک نے اپنی کتاب ''تحقیق وتدوین کا طریقہ کار'' میں مواد کی جمع آوری کے مصادر کو دو بڑی قسموں میں تقسیم کیا ہے کہتے ہیں:

مصادر کی پہلی قسم کو تیار شدہ مواد کے مصادر (Ready Data Sources) کہتے ہیں جس میں کتابیں، انسائیکلو پیڈیاز، مجلات ورسائل، لیکچرز اور دستاویزات شامل ہیں جبکہ دوسری قسم کو خود تیار کردہ مواد کے مصادر (Initiated Data Sources) کہتے ہیں جس میں انٹرویوز، سوال نامے، مشاہدہ، تجربہ اور آزمائش شامل ہیں۔

مذکورہ توضیح کے بعد ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ مواد اولین مصادر سے ہو یا ثانوی، داخلی مصادر سے ہو یا خارجی اور اسی طرح مواد تیار شدہ مصادر سے ہو یا تیار کردہ مصادر سے، اس کے چند درج ذیل ذرائع ہیں:

(i) مطبوعہ وغیر مطبوعہ کتب

(ii) جرائد ورسائل، اخبارات اور تحقیقی مقالات

(iii) دستاویزات (ذاتی وسرکاری)

(iv) بصری مواد (فلم، ٹیلی وژن، نیٹ)

(v) سمعی (ریڈیو، کیسیٹ، تقاریر، مباحث)

(vi) مائیکروفیلم (Micro Graphics)

(vii) الواح (plaque/Sheet/Slate)

(viii) ملاقاتیں (انٹرویوز)

(ix) مراسلت کے ذریعے استفسار۔ سوال نامے

(x) مشاہدہ، تجربہ اور آزمائش

ان مذکورہ مصادر مواد سے معلومات کی جمع آوری کے چند درج ذیل طریقے ہیں:

۱۔ مطالعہ

۲۔ فوٹو کاپی

۳۔ کمپیوٹر ڈاؤن لوڈنگ

۴۔ اقتباس

۵۔ کارڈز

۶۔ فائلیں

۷۔ نوٹ بک

ان مذکورہ طریقوں سے مواد کی جمع آوری کے کچھ بنیادی اصول وضوابط ہیں:

۱۔ مطالعہ کے لئے مناسب وقت اور جگہ کا انتخاب کریں جس میں محقق اطمینان اور سکون محسوس کرے۔

۲۔ مطالعہ محنت، تنقیدی انداز میں غور وخوض اور اچھی کتابوں سے کریں۔

۳۔ مواد کی فوٹو کاپی کرواتے ہوئے اس بات کو ملحوظ خاطر رکھیں کہ متعلقہ مواد اور دیگر ضروری معلومات مکمل طور پر کاپی کروالی ہیں، تاکہ بعد میں مشکل کا سامنا نہ کرنا پڑے۔

۴۔ مواد اگر کمپیوٹر سے ڈاؤن لوڈ کیا ہو تو ویب سائٹ کا مکمل حوالہ، دن اور وقت بھی ضرور تحریر کر لینا چاہیے۔

۵۔ مواد خواہ کارڈز پر اتاریں، فائلوں میں یا نوٹ بک میں تحریر کریں، مگر درج ذیل معلومات ضرور لکھی جائیں تاکہ مواد کی جمع آوری کا کام بہتر انداز میں پایہ تکمیل کو پہنچے۔

(i) مؤلف اور کتاب کا پورا نام

(ii) ناشر، مقام اشاعت اور تاریخ اشاعت

(iii) جلدوں، اجزاء اور صفحات کی تعداد

۶۔ کارڈز کے حوالہ سے بہتر یہی ہے کہ ہر باب کے کارڈز کا رنگ مختلف ہو تاکہ تحقیقی

عمل میں آسانی ہو۔

۷۔ ایک کارڈ پر صرف ایک ہی نوٹ تحریر کریں۔

۸۔ اقتباس لیتے ہوئے بھی احتیاط لازم ہے اور یہ کہ اقتباس ہمیشہ اصل مصدر سے لیں تاکہ آپ کی بات مستند ہو۔

۹۔ اگر آپ نوٹ لینا چاہتے ہیں تو ہمیشہ موضوعی گروہ بندی کر کے الگ الگ صفحات پر لیجیے۔

۱۰۔ نوٹ ہمیشہ صاف، صحیح اور مکمل لکھیے۔

۱۱۔ ایک ہی مصدر سے زیادہ نوٹس نہ لیں۔

۱۲۔ نوٹ ہمیشہ اپنے پاس محفوظ رکھیں۔

مواد کی جمع آوری کے بعد جانچ پڑتال اور پرکھ بہت ہی ضروری ہے کیونکہ تحقیق کے مستند، غیر مستند ہونے اور قدر و قیمت کا انحصار اسی پر ہے۔ اس لئے محقق پر لازم ہے کہ وہ جمع کردہ مواد کا بڑی باریک بینی اور دقت رسی سے جائزہ لے تا کہ اس کی یہ علمی کاوش عمدہ اور بہتر شکل میں سامنے آئے۔ اس حوالہ سے وہ درج ذیل امور ملحوظِ خاطر رکھے:

۱۔ مواد کی صحت معلوم کرنی چاہیے کہ لکھنے والا یا بیان کرنے والا کون ہے اور کتنا معتبر ہے اور آپ جس ماخذ سے لے رہے ہیں اس کی حیثیت کیا ہے؟

۲۔ اپنے نقل کیے ہوئے مواد کا تنقیدی مطالعہ کیجیے کیونکہ لکھتے ہوئے کئی اخطاء سرزد ہو جاتی ہیں، دوبارہ مطالعہ کرنے سے وہ غلطیاں دور ہو جائیں گی اور آپ کی تحریر صاف، واضح اور مکمل ہو جائے گی۔

۳۔ اعداد، ارقام اور سنین کا مطالعہ خاص طور پر کریں تا کہ تاریخی واقعات، سن ولادت اور وفات کے تعین میں غلطی سرزد نہ ہو کیونکہ اس سے بہت سے مسائل جنم لیتے ہیں۔

۴۔ قیاسی مواد کو یقین میں بدلنے کی کوشش کیجیے۔ اور اسی طرح عیسوی اور ہجری کے فرق کو بھی ملحوظ خاطر رکھیں، ایسا نہ ہو کہ آپ عیسوی لکھنا چاہتے ہوں لکھ ہجری دیں۔

۵۔ جمع کردہ مواد میں بعض معلومات ایسی بھی ہوتی ہیں جو مصادر میں بھی موجود ہوتی ہیں اور مراجع میں بھی۔ اس سلسلہ میں حزم واحتیاط کا پہلو یہ ہے کہ آپ مصادر کو مراجع پر ترجیح دیں۔

۶۔ جمع کردہ مواد اگر مختلف مراجع میں ہو تو معتبر ماخذ طے کرنے کے درج ذیل اصولوں کو ملحوظ خاطر رکھیں۔

(i) جو مواد کئی کتابوں میں ملتا ہے وہ زیادہ اہم ہے۔

(ii) جس ماخذ سے سب سے زیادہ معلومات ملتی ہیں وہ بہتر ہے۔

(iii) آپ کے موضوع کے میدان میں کون سا مصنف بہترین ہے۔

(iv) جس کتاب سے آپ مواد لے رہے ہیں اس کے بارے میں طے کیجیے کہ وہ کتنی معتبر ہے؟

۷۔ دوسروں کی ذہنی پیداوار کو اپنا بنا کر پیش کرنے سے احتیاط واجتناب کریں کیونکہ یہ علمی سرقہ ہے۔

۸۔ بعض اوقات کتب اور مؤلفین کے نام ملتے جلتے ہوتے ہیں لہٰذا مواد کی جمع آوری کے دوران اور بعد میں تدقیق اور توثیق ضروری ہے۔

۹۔ اگر اپنے درج کیے ہوئے حقائق کے بارے میں ذرا سا بھی شک ہو تو ان کو دوبارہ جانچ لینا چاہیے حتیٰ کہ آپ کو پورا یقین اور اطمینان ہو جائے۔

۱۰۔ علمی کام کا انحصار مواد اور حوالہ جات پر ہوتا ہے۔ لہٰذا حوالہ جات کی دوبارہ تصدیق کر لینی چاہیے۔

۱۱۔ الفاظ کا استعمال ناپ تول کر کیجیے، تحسین و تزیین کے شوق میں مبالغہ آرائی نہ ہو جائے۔

۱۲۔ اپنی علمی بساط کے مطابق تحقیق کو جتنا بے سقم بنایا جا سکتا ہے بنانے کی بھرپور کوشش اور سعی کریں۔ مواد کی جمع آوری اور جانچ پرکھ میں اقتباس ایک اہم ذریعہ ہے، لہٰذا اب اقتباس اور اس کی حدود و قیود پر تفصیلی گفتگو کرتے ہیں۔

اقتباس اور اس کی حدود و قیود:

اقتباس مواد کی جمع آوری کا ایک اہم اور بنیادی ذریعہ ہے اور اسی طرح علمی و تحقیقی کام میں اہمیت کا حامل بھی ہے اس سے پہلے کہ ہم اقتباس کی اہمیت اور اس کی حدود و قیود پر گفتگو کریں مناسب ہے کہ ہم اس کے معنی و مفہوم اور مقاصد سے آگاہی حاصل کر لیں۔

مفہوم اور اغراض و مقاصد:

اقتباس عربی زبان کا لفظ ہے اور باب افتعال سے مصدر ہے اس کے بنیادی حروف ''ق ب س'' ہیں قبس کا معنی شعلہ اور چنگاری کے ہیں اور اقتباس سے مراد چنگاری لینا اور روشنی لینا ہے۔ اصطلاحی طور پر اقتباس سے مراد

''إیرادُ الباحثِ أو الکاتبِ نصًّا مِنَ النصوص''

کسی محقق یا کاتب کا نصوص میں سے کسی عبارت کو لانا (Quote) ہے۔

اقتباس کی اشکال و انواع:

اقتباس کی کئی ایک اشکال و انواع ہیں جن میں تین معروف ترین درج ذیل ہیں۔

۱۔ نصی و لفظی اقتباس (Literal Quotation)

۲۔ تلخیصی اقتباس (Abstracted Quotation)

۳۔ مفہومی اقتباس (Reproduced Quotation)

۱۔ نصی و لفظی اقتباس (Literal Quotation):

ایسا اقتباس جس کی عبارت میں تبدیلی کیے بغیر اسی طرح نقل کر دیا جائے نصی یا لفظی اقتباس کہلاتا ہے۔

۲۔ تلخیصی اقتباس (Abstracted Quotation):

ایسا اقتباس جس کی عبارت کو اسی طرح نقل نہ کیا جائے، بلکہ اس کا خلاصہ ذکر کیا جائے تلخیصی اقتباس کہلاتا ہے۔

۳۔ مفہومی اقتباس (Reproduced Quotation):

ایسا اقتباس جس کو اسی طرح نقل نہ کیا جائے بلکہ عبارت کے مفہوم کو اپنے الفاظ میں بیان کر دیا جائے۔

اہمیتِ اقتباس و غرض و غایت:

اقتباس نقل کرنا فن ہے۔ تحقیق و تدوین کا سفر اقتباسات کی روشنی میں ہی نشوونما پاتا ہے۔ اخذِ اقتباس (انتخاب عبارت) اور نقل کرنے سے ہی محقق کی صلاحیت کا اندازہ ہو جاتا ہے، لہٰذا مناسب ہے کہ اقتباس موضوع کے مطابق ہو، صحت مستند ہو اور اس میں قطعیت ہو۔ اسی طرح کثرت اقتباسات سے احتیاط کی جائے کیونکہ یہ تحقیقی کام کی قدر و قیمت کم کرنے کا سبب ہیں، جبکہ اقتباسات سے مقصود تو کسی جدید، اچھوتی، مبتکر فکر و غایت تک پہنچنا ہوتا ہے نہ کہ مقالہ کا حجم بڑھانا۔

اقتباس کئی اغراض و مقاصد کی خاطر نقل کیا جاتا ہے چند ایک درج ذیل ہیں۔

۱۔ سب سے پہلا اور اساسی مقصد و غرض رائے کی تائید ہے۔

۲۔ کسی نکتہ یا بیان کی تاکید

۳۔ مقصود کی شرح کے لیے

۴۔ قول یا بات کی تردید کی خاطر

۵۔ دو متضاد خیالات میں موازنہ کے لیے
۶۔ کسی کاتب یا مصنف کے نقطہ نظر کا تجزیہ کرنے کے لیے
۷۔ مقالہ کا صوری حسن بڑھانے کے لیے
۸۔ کسی محقق، مؤلف یا مصنف کی صحیح ترجمانی کرنے کے لیے
۹۔ اپنی گفتگو یا کلام کو مدلل کرنے کے لیے

اقتباس کی حدود قیود اور شرائط:

ماہرینِ تحقیق نے اقتباس کی حدود و قیود کے ساتھ ساتھ اس کی شرائط اور اصول و ضوابط کو بڑی تفصیل سے بیان کیا ہے، لہٰذا محقق کے لیے ضروری ہے کہ اقتباس نقل کرتے ہوئے ان شرائط اور اصول وضوابط کو ملحوظ خاطر رکھے۔ چند ایک ضروری شرائط اور اصول و ضوابط درج ذیل ہیں:

۱۔ اقتباس طویل نہ ہو بہتر یہ ہے کہ چھ سطروں سے زائد نہ ہو۔
۲۔ محقق اقتباس قدیم مصدر سے نقل کرے تا کہ بھرپور فائدہ دے۔
۳۔ عبارت کی صحت کو یقینی بنائیے۔
۴۔ عبارت نقل کرتے ہوئے دقت اور باریک بینی کا مظاہر کرنا چاہیے۔
۵۔ اقتباس بہت ہی واضح، نمایاں اور جلی حروف میں ہو تا کہ ناظر اور قاری پر عیاں ہو جائے۔
۶۔ مختصر کرنے کی غرض سے اگر اقتباس کی عبارت واضح نہ رہے، اس میں خلل واقع ہو، تو مختصر نہ کیا جائے بلکہ اسی طرح نقل کر دیا جائے۔
۷۔ اگر اقتباس چھ سطروں سے زیادہ نہ ہو تو اسے وادین یعنی (Inverted Commas) کے درمیان لکھنا چاہیے بصورت دیگر عام عبارت کے ساتھ ہی تحریر کر دیں۔

۸۔ اگر اقتباس میں خلل یا ابہام ہو (یعنی عبارت غیر واضح ہو) تو اس کی توضیح و وضاحت مربع والی بریکٹ [ ] میں کی جائے یہ اس بات کی نشانی ہے کہ بریکٹ والے کلمات اصل مصنف کے نہیں بلکہ محقق کے ہیں۔

۹۔ اگر اقتباس کی عبارت طویل ہو تو محقق مختصر سے الفاظ میں خلاصہ ذکر کر دے تاکہ طوالت سے بچا جا سکے۔

۱۰۔ اگر اقتباس کا ترجمہ اپنے الفاظ میں لکھنا ہو، تو واوین لگانے کی ضرورت نہیں، اگر ترجمہ کسی کتاب سے لکھ رہے ہیں تو واوین لگائے جا سکتے ہیں۔

۱۱۔ اقتباس اس انداز سے تحریر کیجیے کہ اس کا ماقبل اور مابعد عبارت و کلام سے باہمی ربط نظر آئے، ایسا نہ ہو کہ اقتباس کچھ اور ہو جبکہ ماقبل اور مابعد عبارت کچھ اور۔

۱۲۔ جب بھی اقتباس نقل کریں تو حاشیہ میں مصدر کا نام، مؤلف کا نام اور صفحہ نمبر ضرور تحریر کریں۔

۱۳۔ اگر عبارت طویل ہو اور محقق عبارت کا آخری حصہ نقل کرنا چاہے تو شروع میں تین نقطے لگائے اور درج ذیل طریقے کے مطابق عبارت نقل کر دے:

"... ________________________

____

________________________"

۱۴۔ اگر محقق عبارت شروع سے بھی نقل کرنا چاہتا ہے اور آخر سے بھی اور وہ یہ محسوس کرتا ہے کہ درمیانی عبارت اس کے متعلقہ نہیں، تو وہ شروع سے بھی عبارت اتار لے اور آخر سے بھی، اور جہاں سے ترک کرنا چاہتا ہے وہاں تین نقطے اس انداز سے لگایئے۔

"________________________

__________ ... __________

________________________"

۱۵۔ اسی طرح آپ اگر عبارت آخر سے چھوڑنا چاہتے تو نقطے آخر میں اس انداز سے لگائیے۔

"______________________

____

______________________..."

۱۶۔ اگر اقتباس کے آخر میں سوالیہ نشان ہو تو پہلے سوالیہ نشان لگائیے پھر اس کے بعد واوین لگائیے۔

"______________________

____

______________________...؟"

۱۷۔ اگر شعر بطور استشہاد لانا چاہتے ہیں تو شعر ایک سطر میں بھی لکھا جا سکتا ہے اور دو سطروں میں بھی۔ مثال کے طور پر اقبال کا شعر ایک سطر میں اس انداز سے تحریر کریں گے۔

ہزاروں سال نرگس اپنی بے نوری پہ روتی ہے بڑی مشکل سے ہوتا ہے چمن میں دیدہ ور پیدا

اگر شعر دو سطروں میں لکھنا مقصود ہو تو اس انداز میں تحریر کریں گے:

ہزاروں سال نرگس اپنی بے نوری پہ روتی ہے

بڑی مشکل سے ہوتا ہے چمن میں دیدہ ور پیدا

دو سطروں میں شعر اس انداز سے بھی لکھا جا سکتا ہے۔

ہزاروں سال نرگس اپنی بے نوری پہ روتی ہے

بڑی مشکل سے ہوتا ہے چمن میں دیدہ ور پیدا

نوٹ: اَخذِ اقتباس اور نقل کرنے میں حد درجہ حزم و احتیاط کرنی چاہیے تاکہ اس کی صحت برقرار رہے۔

مواد کی تنظیم وترتیب:

مواد کی جمع آوری، چھان بین اور تدوین جو محقق نے مختلف کارڈز یا فائلوں میں کی ہے، کے بعد اس کی ترتیب و تنظیم کا مرحلہ آتا ہے۔ یہ مرحلہ بہت اہمیت کا حامل ہے اس لیے محقق حزم واحتیاط سے کام لے اور تمام جمع شدہ مواد کی کانٹ چھانٹ بڑی توجہ اور محنت سے کرے، غیر ضروری مواد الگ کردے تاکہ موضوع سے متعلقہ، مناسبت اور مطابقت رکھنے والے مواد کو بطریق احسن ترتیب دیا جا سکے، اور عمدہ و معیاری نتائج اخذ کیے جا سکیں۔ لہٰذا محقق اس جمع شدہ مواد کو جو اس نے کانٹ چھانٹ کے بعد اخذ کیا ہے بڑی ترتیب و تنظیم سے مختلف ابواب وفصول میں تقسیم کردے، اسی حوالہ سے ڈاکٹر عبدالحمید عباسی نے اپنی کتاب میں عبدالرزاق قریشی کا قول نقل کیا ہے لکھتے ہیں:

> "سارا ممکن الحصول مواد اکٹھا کر لینے کے بعد اب ضرورت ہے کہ اسے ترتیب دیا جائے، یعنی آغازِ کار سے اب تک جو نوٹ لیے گئے ہیں انہیں ان کے عنوانات کے تحت مرتب کیا جائے۔ ان کو مرتب کرتے وقت اس بات کا بھی خیال رکھا جائے کہ جو غیر اہم یا غیر ضروری نوٹ آ گئے ہیں انہیں الگ کر دیا جائے......جس طرح نوٹ لیتے وقت باقاعدگی اور احتیاط کا خیال رکھا گیا تھا اسی طرح انہیں ترتیب دیتے وقت بھی باقاعدگی اور احتیاط ملحوظ خاطر رکھنا ضروری ہے۔ جس کام میں تنظیم وترتیب ہوتی ہے اس کا نتیجہ خاطر خواہ اور خوشگوار ہوتا ہے۔"

مجوزہ کتب برائے استفادہ ومطالعہ:

۱۔ کیف تکتب بحثاأو رسالة، احمد شلبی مصری۔
۲۔ البحث العلمی تطورہ و مناھجہ، الدکتور عبدالرحیم، ملتان، ۲۰۰۵م
۳۔ تحقیق وتدوین کا طریقہ کار، از ڈاکٹر خالق داد ملک، اورینٹل بکس، لاہور، ۲۰۱۲ء
۴۔ تحقیق کا فن، از ڈاکٹر گیان چند، مقتدرہ قومی زبان، پاکستان
۵۔ اصول تحقیق، عبدالحمید خان عباسی، نیشنل بک فاؤنڈیشن، اسلام آباد

سوالات:

۱۔ مواد جمع کرنے کے چند معروف ذرائع وطریقے کون سے ہیں؟
۲۔ مواد کی جمع آوری کے بنیادی اصول وضوابط کی وضاحت کیجیے۔
۳۔ تحقیقی عمل میں مواد کی جانچ پڑتال اور پرکھ کیسے ممکن ہے؟
۴۔ اقتباس کی اقسام اور اغراض ومقاصد کا تعین کیجیے؟
۵۔ اقتباس کی حدود وقیود اور شرائط سے آگاہی محقق کی صلاحیت کا منہ بولتا ثبوت ہے؟ وضاحت کیجیے۔

•••

تحقیق میں فرضیہ کی اہمیت، شروط وخصائص

اہداف ومقاصد:

اس باب کے مطالعہ کے بعد آپ اس قابل ہو جائیں گے کہ:

۱۔ فرضیہ کا مفہوم اور اس کی اہمیت جان سکیں۔

۲۔ اچھے فرضیے کے خصائص سے متعارف ہوں۔

۳۔ اچھا فرضیہ لکھنے کے اصول وضوابط اور شروط سیکھ سکیں۔

علمی و تحقیقی دنیا میں فرضیہ کے لیے مختلف کلمات مستعمل ہیں جن میں مفروضہ، تخمینہ، تعمیم، اور نظریہ قابل ذکر ہیں جبکہ انگریزی میں اس کے لیے Hypothesis کا لفظ استعمال کیا جاتا ہے۔ یہ تمام مصطلحات اگرچہ ایک ہی چیز ہیں مگر اصطلاحی اور فنی طور پر ان میں فرق ہے۔ جہاں تک انگریزی لفظ Hypothesis کا تعلق ہے تو یہ دو چیزوں کا مجموعہ ہے ایک "Hypo" اور دوسرا "Thesis" ہائپو (Hypo) کا معنی ہے مختصر، قلیل اور تھوڑا، جبکہ تھیسز (Thesis) کا معنی ہے مقالہ، علمائے تحقیق نے فرضیہ کی مختلف تعریفیں کی ہیں مثال کے طور پر ڈاکٹر احمد بدر اپنی کتاب "اصول البحث العلمی ومناھجہ" میں لکھتے ہیں:

"اِنَّ الْفَرْضَ یُعْتَبَرُ تَخْمِیْنًا مَعْقُوْلاً مَبْنِیًّا عَلَی الدلیلِ الذی یُمْکِنُ الحصولُ علیه عِنْدَ وضعِ هٰذَا الْفرضِ.."

۱۔ فرضیہ سے مراد وہ معقول تخمینہ و اندازہ ہے جو ایسی دلیل پر مبنی ہوتا ہے جس کا حصول اس فرضیہ کے وضع کے وقت ممکن ہو۔

۲۔ فرضیہ تحقیق سے مراد کسی مسئلے کے بارے میں محقق کی ابتدائی رائے، اندازہ اور دانشورانہ قیاس ہے جسے وہ موضوع تحقیق کے انتخاب کے بعد اختیار کرتا ہے۔

۳۔ اسی طرح فرضیہ کو محقق کی پیشگوئی بھی کہا گیا ہے جو قبل از مطالعہ مصادر و مراجع کے کی جاتی ہے۔

۴۔ موضوع سے متعلق اٹھنے والے اہم سوالات کے متوقع اور امکانی جوابات ہی فرضیہ کہلاتے ہیں۔

5. The Hypothesis is a temporary guess.

6. Hypothesis is a fact finding

مفروضہ کی اہمیت:

تحقیقی عمل میں جس طرح موضوع کے انتخاب کی اہمیت ہے، اسی طرح موضوع میں فرضیہ بھی اساس و بنیاد کی حیثیت رکھتا ہے۔ فرضیہ کی بدولت محقق کی توجہ موضوعِ تحقیق کے خاص پہلوؤں پر مرکوز رہتی ہے اور فرضیہ حقائق کی تلاش میں مدد و معاون ثابت ہوتا ہے اور ہر موقع پر راہنمائی فراہم کرتا اور بتاتا ہے کہ کون سے حقائق تحقیق سے متعلق ہیں اور کون سے غیر متعلق۔ ایسی تحقیقات جن میں حقائق کی تجمیع اور صرف معلوم کرنا مقصود ہو اس میں فرضیہ ضروری بھی نہیں ہے، لیکن پھر بھی اس کی اہمیت سے استغناء و انکار ممکن نہیں۔ فرضیہ کی اہمیت پر دال چند نکات درج ذیل ہیں:

۱۔ فرضیہ نظریہ کی اساس و بنیاد ہوتا ہے۔

۲۔ سائنسی ترقی کا انحصار بھی مفروضات پر ہوتا ہے۔

۳۔ مسائل کی نشاندہی کا بہترین اور مؤثر ذریعہ ہے۔

۴۔ محقق کے لیے نامعلوم کی دریافت اور وضاحت کے لیے نہایت عمدہ ذریعہ ہے۔

۵۔ فرضیہ محقق کی کوششوں کو زرخیز ذرائع کی جانب موڑتا ہے۔

۶۔ اَخذِ نتائج میں فریم ورک فراہم کرتا ہے۔

۷۔ فرضیہ تحقیق کے لیے تحریک پیدا کرتا ہے۔

۸۔ مفروضات طریق تحقیق کی نشاندہی کرتے ہیں۔

۹۔ حقائق کی تلاش میں معاونت کرتا ہے۔

۱۰۔ مفروضہ تحقیقی عمل میں ہدایت کار اور مرشد کا کردار ادا کرتا ہے۔

۱۱۔ جدید علوم میں رائج تمام نظریات اپنی ابتدائی شکل میں مفروضے کی حیثیت ہی رکھتے تھے۔

۱۲۔ نقطہ نظر کی دنیا مفروضات کے نام سے موسوم ہے۔

۱۳۔ فرضیہ معلوم حقائق یا نظریات کے ساتھ مطابقت کا بہترین ذریعہ و آلہ ہے۔

۱۴۔ مختلف مصادر سے حقائق و خیالات کے چناؤ میں معاون ہوتا ہے۔

۱۵۔ فرضیہ میں امکانی جوابات کی پیشگوئی ہوتی ہے۔

فرضیہ کی شرائط اور اصول وضوابط:

تحقیق ایک مسلسل، مربوط اور بامقصد عمل ہے اس لیے ہر وہ کام جو بامقصد ہو اس کے کچھ اصول وضوابط اور شرائط ہوتی ہیں، اسی طرح فرضیہ کی بھی شرائط، اصول وضوابط اور خصائص ہیں، چند ایک قابل ذکر ہیں:

۱۔ فرضیہ بہت ہی واضح ہو اور اس میں ایجاز ہو۔

۲۔ فرضیہ بہت ہی جامع ہو۔

۳۔ فرضیہ ایسا ہو جو اختبار و امتحان کے لائق ہو یعنی آزمائش کے مرحلے سے گزارا جا سکے۔

۴۔ مفروضات تناقض سے مبرا و خالی ہوں یعنی فرضیہ کے بعض اجزاء کا دیگر اجزاء سے تناقض نہ ہو۔

۵۔ فرضیہ محدود یعنی (Specific) ہو۔

۶۔ فرضیہ معقول ہو۔

۷۔ معلوم حقائق یا نظریات کے ساتھ مطابقت رکھتا ہو۔
۸۔ ایسا ہو کہ جس کو غلط یا درست ثابت کیا جا سکے۔
۹۔ فرضیے کی نوعیت آفاقی ہونی چاہیے۔
۱۰۔ فرضیہ کو غیر متغیر (Invariant) ہونا چاہیے جو وقت کے ساتھ تبدیل نہ ہو۔
۱۱۔ فرضیہ علت (Cause) کو بیان کرنے والا ہو یعنی وہ ایسا تعلق بتائے جس میں وجہ یا علت بیان کی گئی ہو۔
۱۲۔ تمام متعلقہ لٹریچر کا جائزہ لینے کے بعد فرضیہ لکھنا چاہیے۔
۱۳۔ فرضیہ لکھنے کا انداز بیانیہ ہو نہ کہ سوالیہ۔
۱۴۔ کسی بھی تحقیقی کام میں ایک سے زائد فرضیات بھی ہو سکتے ہیں۔
۱۵۔ علمی مفروضات قیم واقدار (Values) کے ساتھ متغیر نہیں ہوتے۔

مجوزہ کتب برائے استفادہ:

★ اصول البحث العلمی و مناهجه، ڈاکٹر احمد بدر، طبع سادس ۱۹۸۲، ناشر وکالة المطبوعات۔عبداللہ حربی، کویت
☆ لائبریری سائنس اور اصول تحقیق، سید جمیل احمد رضوی، مقتدرہ قومی زبان، اسلام آباد، طبع دوم، ۱۹۹۲ء

سوالات:

۱۔ علمی و تحقیقی کاموں میں فرضیہ کی کیا اہمیت ہے؟
۲۔ اچھا فرضیہ لکھنے کے اصول وضوابط کی وضاحت کیجیے۔

•••

مقالہ کی تسوید وتحریر اور معیاری مقالہ کی خصوصیات

اغراض ومقاصد:

اس باب کے مطالعہ کے بعد آپ اس قابل ہو جائیں گے کہ:

۱۔ مقالہ کا مفہوم اور مقالہ تحریر کرنے کے لیے ضروری ہدایات سے روشناس ہوسکیں۔

۲۔ اجزائے مقالہ اور عمدہ و معیاری مقالہ کی خوبیوں سے آگاہ ہوں اور عملی طور پر ان امور کا اطلاق کرسکیں۔

معنی ومفہوم:

تحقیق کی دنیا میں مقالہ کو کئی ناموں سے موسوم کیا جاتا ہے جن میں رسالة، أطروحة، بحث، بحث علمی، بحث جامعی، مقالة، مقالة علمية، رسالة علمية اور مشروع قابل ذکر ہیں، جبکہ انگریزی میں Project، Thesis اور Dissertation کہتے ہیں۔ گوکہ مذکورہ مصطلحات ایک دوسرے کے مترادف کے طور پر استعمال کی جاتی ہیں مگر علمائے تحقیق میں ان مصطلحات کے باہمی فرق میں اختلاف رہا ہے۔ البتہ یونیورسٹی مقالہ کی جامع تعریف آرتھر کول (Arthur Cole) نے کی ہے جس کو ڈاکٹر احمد شلبی مصری نے اپنی کتب ''كَيفَ تَكْتُب بحثاً أو رسالةً'' میں یوں ذکر کیا ہے:

''تقرير وافٍ يُقَدِّمُهُ بَاحِثٌ عَنْ عَمَلٍ تَعَهَّدَهُ وَأَتَمَّهُ، عَلَى أن يَشْمَلَ التقريرُ كُلَّ مَراحِلِ الدِّراسةِ، مُنْذُ كانَتْ فكرة حَتّى صارتْ نتائجَ مُدَوَّنَةً، مُرَتَّبَةً، مُؤَيَّدَةً بِالْحِجَجِ وَالْأَسَانِيدِ''

مقالہ سے مراد ایک مکمل رپورٹ ہے جسے محقق ایسے کام کے بارے میں پیش کرتا

ہے، جسے اس نے اپنے ذمہ لیا ہو اور مکمل کیا ہو۔ اور وہ رپورٹ اس انداز میں ہو کہ مطالعہ کے تمام مراحل پر مشتمل ہو، اس وقت سے کہ جب وہ کام ایک سوچ تھا یہاں تک کہ وہ سوچ تدوین شدہ اور دلائل و براہین سے تائید شدہ نتائج کی صورت اختیار کر گئی۔

تحقیقی عمل ایک پیچیدہ، مسلسل اور مربوط عمل ہے اس لیے اس کا ہر مرحلہ دوسرے سے مربوط ہوتا ہے۔ ابتدائی تمام مراحل اس مرحلہ کی اساس و بنیاد ہیں۔ جس طرح دیگر مراحل کچھ امور کے متقاضی تھے، اسی طرح یہ مرحلہ بھی محقق سے کچھ امور اور شرائط کا متقاضی ہے چونکہ یہ مرحلہ فنی نوعیت کا ہے اور مقالہ کا مقصود بھی، اس لیے اس میں معلومات و مواد کے درمیان ترتیب، تنظیم و تالیف ضروری ہے۔ فنی امور پر گفتگو کرنے سے پہلے ضروری ہے کہ تسوید اور تحریر کے مفہوم اور ان کے مابین فرق کو اچھی طرح سمجھ لیں۔

تسوید باب تفعیل سے مصدر ہے جس کا معنی ہے مسودہ تیار کرنا۔ جبکہ تحریر بھی اسی باب سے مصدر ہے جس کا معنی ہے صاف واضح کر کے لکھنا۔ اسی بنا پر ماہرین تسوید سے مراد مقالے کا پہلا مسودہ تیار کرنا مراد لیتے ہیں اور تحریر سے مراد پہلے مسودہ کی ضروری ترمیم واصلاح کے ساتھ صاف واضح اور مکمل نقل کرنا یا اتار لیتے ہیں، بعض اس صاف تحریر کے عمل کو تبییض اور نقل شدہ مسودہ کو مبیضہ بھی کہتے ہیں۔

تسوید سے پہلے جن امور کو ملحوظ خاطر رکھنا ضروری ہے اس حوالے سے ڈاکٹر جمیل جالبی لکھتے ہیں: گویا لکھنے سے پہلے آپ نے چار کام کیے۔

(i) آپ نے اپنے موضوع سے پوری واقفیت حاصل کر لی۔

(ii) آپ نے غور و فکر کے بعد اپنا نقطہ نظر متعین کر لیا۔

(iii) آپ نے اس نقطہ نظر کی وضاحت کے لیے حوالے جمع اور مرتب کر لیے۔

(iv) آپ اس موضوع میں اتنے محو و منہمک ہو گئے کہ آپ کے وجود میں اس کے اظہار کی بے چینی پیدا ہو گئی۔

اسی طرح مقالہ کی تسوید و تحریر کے دوران بھی محقق کو کئی امور اور اصول وضوابط ملحوظ خاطر رکھنا ہوں گے۔ جن کی تفصیل درج ذیل ہے:

۱۔ علمی سرقہ سے بچنے کی حتی المقدور کوشش کرنی چاہیے۔
۲۔ فکر واضح ہو۔
۳۔ مواد کی ترتیب منطقی ہو۔
۴۔ طرز تحریر مؤثر اور واضح ہو۔
۵۔ تحریر کا آغاز براہ راست موضوع سے کیا جائے۔
۶۔ تمہیدی گفتگو طویل نہ ہو۔
۷۔ تبصروں سے احتیاط و پرہیز بہت ضروری ہے۔
۸۔ الفاظ کا استعمال احتیاط سے کیا جائے۔
۹۔ تحریر میں سنجیدگی ہو۔
۱۰۔ القابات کا استعمال نہ کیا جائے۔
۱۱۔ جانب داری سے بچا جائے۔
۱۲۔ اقتباسات کی عبارت کو احتیاط سے نقل کیا جائے۔
۱۳۔ اقتباسات برمحل اور مناسب استعمال کیے جائیں۔
۱۴۔ موضوع اور اسلوب میں ہم آہنگی ہو۔
۱۵۔ پیشکش انتہائی منظم اور مدلل ہو۔
۱۶۔ مواد علمی و مستند ہو۔
۱۷۔ اندازِ تحریر خطیبانہ نہ ہو۔
۱۸۔ مبالغہ آرائی سے احتیاط ضروری ہے۔
۱۹۔ جذباتی طرز استدلال اور ناصحانہ انداز بیان سے گریز کرنا چاہیے۔

۲۰۔ جملوں اور پیراگراف میں ربط ہونا چاہیے۔

۲۱۔ کلمات کے تکرار سے اجتناب بہت ضروری ہے۔

۲۲۔ نتائج وتجاویز کو اختصار سے پیش کرنا چاہیے۔

۲۳۔ طویل اور ثقیل جملوں سے گریز کیا جائے۔

ان مذکورہ امور اور اصول وضوابط کو اگر باریک بینی اور اختصار سے ذکر کریں تو تین حصوں میں تقسیم کر سکتے ہیں جنہیں مقالے کے ارکان کہہ سکتے ہیں۔علماء و محققین نے بھی مقالے کے تین ارکان ہی ذکر کیے ہیں اور یہی عمدہ ومعیاری مقالہ کی خوبیاں بھی ہیں۔

۱۔ اسلوب(Style)

۲۔ منہج(Method)

۳۔ مواد(Data / Material)

۱۔اسلوب(Style):

اسلوب سے مراد مافی الضمیر کے مخصوص اظہار کا انداز یا تعبیری سانچہ ہے جو کسی بھی محقق، مؤلف یا مصنف کی گیرائی و گہرائی اور ادراک کی عکاسی کرتا ہے۔جس قدر کسی محقق کا مطالعہ وسیع ہوگا اسی قدر اس کا اسلوب بھی عمدہ، شاندار اور واضح ہوگا۔ بلکہ مثل مشہور ہے۔ ”Style is the man“ یعنی اسلوب شخصیت ہوتا ہے۔ یا سادہ لفظوں میں یوں کہہ لیں کہ اسلوب کسی بھی شخصیت کا آئینہ دار ہوتا ہے۔اسی طرح اسلوب ان معانی کو بھی کہتے ہیں جن کے اظہار کے لیے الفاظ کو آپس میں ترکیب دے کر ایسی عبارت تیار کی جائے کہ سامعین کے اذہان مقصودِ مفہوم تک پہنچنے میں تصور نظری کی دقت کا شکار نہ ہوں۔

معیاری مقالہ کے لیے اسلوبِ تحریر علمی ومعیاری ہونا لازمی ہے۔اس لیے کامیاب محقق وہ ہے جس کا اسلوب سادہ، عام فہم، واضح اور مکمل ہو۔ چونکہ وضاحت اسلوب کی نمایاں ترین خوبیوں میں سے ایک ہے اس میں زبان کی قوت اور بیان کی خوبصورتی کا عنصر بھی شامل ہو جائے تو تحریر معیاری اور عمدہ بن جاتی ہے۔اظہار مافی الضمیر کے اعتبار سے

اسلوب مختلف زاویوں میں منقسم ہوتا ہے، ذیل میں چند اسالیب بطورِ تفہیم و مقصود درج کیے جاتے ہیں۔

۱۔اسلوبِ علمی:

اس اسلوب کی بنیادی شرط یہ ہے کہ متکلم کلام میں ایسے الفاظ کا انتخاب کرے جو معنی کے اعتبار سے واضح اور صریح ہوں یعنی ان میں توجیہ اور تاویل کی ضرورت پیش نہ آئے۔ جس طرح کہ محسناتِ بدیع اور مجاز و کنایہ میں ہوتا ہے۔ یہ اسلوب جہاں آسان عبارتوں کا تقاضا کرتا ہے وہیں بیان اور دلائل کی مضبوطی کا بھی تقاضا کرتا ہے۔

جمال، قوت، اور سلامتی، ذوقِ کلمات کا انتخاب اس اسلوب کے اجزائے ترکیبی شمار کیے جاتے ہیں۔ داخلِ نصاب تمام درسی کتابیں اسی اسلوب کے زمرے میں آتی ہیں۔

۲۔اسلوبِ ادبی:

اس اسلوب کا تعلق قوت خیال اور جودتِ فکر سے ہے۔ ممکنات و غیر ممکنات کو ایک ہی صف میں کھڑا کر دینا اس اسلوب کا کمال ہے اور معنوی روحوں کو حسیات کا لباس پہنا دینا اس اسلوب کا خاصہ ہے، ابونواس کا یہ شعر اسی اسلوب میں ہے۔

واخفت اهل الشرک حتی انه
لتخافک النطف التی لم تخلق

ابونواس اپنے ممدوح سے مخاطب ہو کر کہتا ہے کہ آپ نے اپنے دشمنوں کے دلوں میں ایسی ہیبت ڈال دی ہے کہ وہ نطفے جو ابھی تک معرضِ وجود میں نہیں آئے، خوفزدہ ہیں۔

اب یہ بات ظاہر ہے کہ غیر مخلوق کا ڈرنا، عقلاً اور عادتاً محال ہے، اگر آپ اس مثال میں تھوڑا سا غور کریں تو آپ کو معلوم ہو جائے گا، کہ ایک غیر ممکن چیز کے لیے امکان کو ثابت کیا گیا ہے، اس لیے کہ ڈر ادراک و حیات کے تحقیق پر مبنی ہے جو یہاں معدوم ہے شاعر نے غیر وجودی چیز (غیر وجودی نطفوں کے ڈرنے کو) ممکنات کی صف میں لا کھڑا کیا ہے ایسے ہی بخار کو خوبصورت دوشیزہ سے تشبیہ دینا اور اس کے لوازمات کے لیے ہڈیوں کو بستر

سے تشبیہ دینا، اس امر کے دائرے میں آتا ہے کہ بخار جو معنوی چیز ہے اس کو ایک دوشیزہ کے وجود سے تشبیہ دینا جو حسی ہے اور پھر پیرایۂ اظہار کی بوتل میں بلاغت کی شراب ملا کر اسے دوآتشہ کر دینا اسلوبِ ادبی کہلاتا ہے۔

۳۔ اسلوب خطابی:

قوتِ الفاظ و معانی، قوتِ حجت و برھان، اور قوتِ عقل کا اظہار اس اسلوب کے بنیادی عناصر ہیں۔

یہ اسلوب عمومی طور پر تحریر و تقریر دونوں سے تعلق رکھتا ہے مگر خصوصی طور پر تقریر اس کا موضوع و محل قرار پاتا ہے، اس اسلوب کے تحت خطیب سامعین کے عزائم اور جذبات کو شدت کی وسعت عطا کرتا ہے اور اپنے زورِ کلام سے ان کی فکروں پر حاوی رہتا ہے اس کی مثال حضرت علی رضی اللہ عنہ کا وہ خطبہ ہے جو آپ نے اس وقت دیا جب سفیان بن عوف اسدی نے انبار پر حملہ کر کے وہاں کے گورنر کو قتل کر دیا تھا، تو آپ نے اہل انبار کو مخاطب کرتے ہوئے پُر جوش خطاب کیا۔

> ’’اس کے گھوڑے انبار تک پہنچ گئے اور اس نے حسان بکری کو قتل کر دیا، اور تمہارے شہسواروں کو سرحدوں سے پیچھے کر دیا، اور تمہارے صالح رجال کو شہید کر دیا، مجھے اُن کی بُرائیوں میں سے ایک یہ بُرائی بھی پتہ چلی ہے وہ مسلمان اور ذمی عورت کے گھر داخل ہوئے اور اس کی پائل، کنگن، اور بالیاں سب چھین لیں، وہ صحیح سالم چلے گئے، نہ اُن کے کسی آدمی کو زخم لگا، نہ خون بہا اور نہ ہلکی سی کوئی کھروچ آئی۔ اس صورت حال کے بعد اگر کوئی مسلمان غم کے مارے مر جائے تو وہ قابلِ ملامت نہیں بلکہ میرے نزدیک وہ اسی لائق تھا۔ تعجب ہے یہ لوگ اپنے باطل کاموں میں س قدر کوشاں ہیں اور تم حق پر ہوتے ہوئے بھی سہمے اور ڈرے ہوئے ہو۔ تم پر افسوس ہے کہ تم نشانہ بازی کا نشانہ بن گئے، تم پر غارت گری کی جاتی ہے لیکن تم نہیں

کرتے، لوگ تم سے لڑتے ہیں مگر تم کسی سے نہیں لڑتے، اللہ کی نافرمانی کی جارہی ہے اور تم خوش ہو"۔

دیکھئے: اس خطبہ کو ذرا غور سے دیکھئے کہ کیسے حضرتِ علی رضی اللہ عنہ نے سامعین کے شعور کو بتدریج بھڑکایا، حتیٰ کہ کمالِ انتہا پر پہنچادیا، اور اپنے سنانِ کلام کی نوک سے کیئے ان کی رگِ غیر میں چھید کیے ہیں۔ اس قسم کے اسلوب کو ہی اسلوبِ خطابی کہتے ہیں۔

۴۔اسلوب حکیم:

کبھی کوئی آدمی آپ سے مخاطب ہوتا ہے یا کوئی پوچھنے والا کسی چیز کے بارے میں سوال کرتا ہے، مگر آپ چاہتے ہیں کہ موضوعِ کلام سے اعراض کریں، سوال کا جواب دیں یا سوال کا جواب نہ دیں، بنابر چند ایک اغراض کے۔

مثال کے طور پر سائل عاجز ہو کہ صحیح جواب کو نہ سمجھ سکے، لہٰذا یہ بہتر معلوم ہوگا کہ اسے کسی ایسی بات کی طرف پھیرا جائے جو اس کے لیے زیادہ فائدہ مند ہو یا آپ مخاطب سے اختلافِ رائے رکھتے ہوں اور اپنی رائے کا اظہار نہ کرنا چاہتے ہوں۔ ایسے حالات وامثال میں آپ اسے نہایت مہارت کے ساتھ موضوع سے پھیرنا چاہتے ہوں اور دوسرے مناسب موضوع کی طرف مائل کرنا چاہتے ہوں۔

الغرض اسلوب حکیم اہم غرض کے چھوڑنے پر متکلم کو تعریض کرنے کے لیے اہم چیز کے ذکر سے عبارت ہے، جیسا کہ حضرتِ خضر نے موسیٰ علیہ السلام کے اُن کو سلام کرنے کے وقت موسیٰ علیہ السلام کے سلام کا انکار کیا، اس لیے کہ سلام اس زمین میں معروف نہ تھا۔

حضرتِ خضر نے موسیٰ علیہ السلام کے سلام پر یہ کہا تھا فانی بارضک السلام

آپ کی زمین پر سلام کہاں سے ہے؟ تو موسیٰ علیہ السلام نے اس کا جواب دیا انا موسیٰ میں موسیٰ ہوں۔ گویا موسیٰ علیہ السلام کا انا موسیٰ کہنے کا مطلب یہ تھا کہ جو آپ کے لائق تھا اس کے بارے میں میں نے جواب دے دیا ہے اور آپ کے لائق یہ ہے کہ آپ مجھ سے کچھ پوچھ سکیں، نہ کہ آپ کی زمین پر میرا اسلام کہنا موضوعِ سخن ہے۔

اس مثال میں موسیٰ علیہ السلام نے حضرت خضر کے سوال کے جواب دینے سے اعراض کیا اور یہ اعراض کرنا صرف حضرت خضر کو مقصودِ اصلی کی طرف پھیرنا تھا۔

اسی کو اسلوبِ حکیم کہا جاتا ہے کہ دانائی مرکزِ توجہ رہتی ہے۔

۲۔ منہج (Method):

منہج اس طریقہ کو کہتے ہیں جسے کوئی بھی محقق اپنی معلومات کے استعمال اور مافی الضمیر کے اظہار کے لیے اختیار کرتا ہے تاکہ اس کا انداز منظم اور پیشکش مدلل ہو۔ اس کا مقصد قاری کو قائل کرنا اور اثر انداز ہونا ہے۔ منہج کی دو قسمیں ہوتی ہیں ایک خارجی اور دوسرا داخلی۔(Internal Method)

خارجی منہج (External Method):

خارجی منہج میں معلومات و مواد کی تقسیم کار کو ملحوظ خاطر رکھا جاتا ہے، جبکہ داخلی منہج میں معلومات کے استعمال کے طریقہ کار کو ملحوظ خاطر رکھا جاتا ہے تاکہ آپ کا انداز منظم اور پیشکش مدلل ہو، جس سے قاری متاثر ہو سکے۔ اس کی مزید وضاحت ایک مثال سے کرتے ہیں:

مثال (Example):

ایک مؤلف یا مصنف کتاب تحریر کرتا ہے وہ اس کتاب کے مواد کو مختلف ابواب اور فصول میں تقسیم کرتا ہے اس کا ابواب و فصول میں تقسیم کرنا خارجی منہج کہلائے گا۔ اسی طرح ایک مفسر کسی سورت کی تفسیر کرتا ہے دوران تفسیر وہ قرآنی آیات، احادیث نبویہ اور اقوال سے استشہاد کرتا ہے تاکہ اس کا تفسیر کرنے کا انداز اور طریق کار مدلل ہو جائے اس کو ہم داخلی منہج سے تعبیر کریں گے۔

نوٹ: اسلوب اور منہج دو معروف اور مترادف مصطلحات ہیں۔ عام طور پر ان کے مابین فرق نہیں کیا جاتا لیکن ان میں دقیق سا فرق ہے۔ سادہ لفظوں میں یوں کہہ سکتے ہیں کہ اسلوب تحریر کی خوبیوں پر دلالت کرتا ہے جبکہ منہج کسی کام کے انداز، طریق کار اور اصول و

ضوابط پر دلالت کرتا ہے اسی لیے انگریزی میں اسلوب کے لیے Style اور منہج کے لیے Method کا لفظ استعمال کیا جاتا ہے۔

۳۔مواد (Data/Material):

مواد کسی بھی تحقیقی کام یا مقالے کا بنیادی اور اہم ترین رکن اور حصہ ہے اس لیے کہ کسی بھی کام کے معیار کا اوّلین انحصار اس کے مواد پر ہوتا ہے، اگر مواد معیاری اور مستند ہوگا تو وہ کام بھی عمدہ اور معیاری متصور ہوگا اور اس کی قدر و قیمت میں اضافے کا باعث بنے گا۔ بصورت دیگر وہ اپنی اہمیت کھو دے گا۔ یہی وجہ ہے کہ علمی وادبی کاموں میں محققین سے تقاضا کیا جاتا ہے کہ ان کا مواد سرقہ سے پاک، معیاری، مستند اور مدلل ہو، تاکہ علمی دنیا میں نئی پیش رفت اور حقائق کی تلاش میں معاون ثابت ہو۔

مختصراً یہ کہا جا سکتا ہے کہ اسلوب، منہج اور مواد مل کر مقالے کا حسن بڑھاتے ہیں اور اس میں ایسی تاثیر اور جان پیدا کر دیتے ہیں جو پہلے مفقود تھی۔ اسی طرف راہنمائی فرماتے ہوئے علامہ حسن بن بشر ال آمدی اپنی کتاب ''المؤتلف والمختلف'' میں رقمطراز ہیں، جس کو ڈاکٹر عبداللہ محمد شامی نے اپنی کتاب ''اصول منہج البحث العلمی و قواعد تحقیق المخطوطات'' میں ذکر کیا ہے:

> ''إنَّ حُسْنَ التالیفِ وَبراعَةَ اللفظِ یَزِیْدُ المَعْنٰی الْمَکْشُوْفَ بھاءً وَحُسناً وَرَوْنقاً، حَتّٰی کأنَّہٗ قَدْ حَدَثَ فِیہِ غَرابَةٌ وَلَمْ تَکُنْ، وزیادةً لَمْ تعھَدْ''
>
> ''حسن تالیف اور الفاظ کی عمدگی، بیان کیے جانے والے معانی کے حسن و جمال، خوبصورتی اور رونق کو بڑھا دیتے ہیں، یہاں تک کہ ایسا لگتا ہے کہ ان معانی میں ایسی ندرت آ گئی ہے جو پہلے نہ تھی، اور ایسا زور پیدا ہو گیا ہے جو پہلے موجود نہ تھا''۔

اجزائے مقالہ اوران کی تشکیل:

عام طور پر جامعات میں لکھے جانے والے مقالات کے تین بنیادی اجزاء ہوتے ہیں، جن میں ابتدائی حصہ، اصل موضوع اور آخری حصہ موضوع کی نوعیت سے مقالے کے اجزاء میں تبدیلی واقع ہو سکتی ہے۔ اجزاء کی ترتیب وتفصیل اس طرح ہوتی ہے:

ا۔ابتدائی حصہ:

یہ حصہ درج ذیل معلومات پر مشتمل ہوتا ہے۔

(ا) سرورق اور عنوان:

عنوانِ تحقیق، مقالہ نگار کا نام، نگران مقالہ کا نام، ڈگری جس کے لیے پیش کیا گیا ہے، تاریخ تکمیل مقالہ، سیشن، شعبہ اور ادارہ کے نام کا اندراج ہوتا ہے۔ اس کے بعد نگرانِ مقالہ کی طرف سے سرٹیفکیٹ، اور مقالہ نگار کی طرف سے حلفیہ اقرار نامہ کہ یہ کام سرقہ سے پاک ہے اور ڈگری کے حصول کے لیے کسی بھی ادارہ یا جامعہ میں پیش نہیں کیا گیا۔

(ب) مقدمہ:

اس میں تعارف واہمیتِ موضوع ، انتخاب کے اسباب، فرضیہ کا تحقیق، سابقہ تحقیقات کا جائزہ، منہجِ تحقیق، تقسیم کار، بنیادی مصادر ومراجع، دورانِ تحقیق پیش آمدہ مسائل وتکالیف اوران پر غلبہ کا حصول کیسے ممکن ہوا اور کلمات شکر وتقدیر کا اندراج ہوتا ہے۔

(ج) فہرست مشمولات:

اس فہرست میں مقدمہ سے لیکر فہارس تک کے چیدہ چیدہ موضوعات اوران کے صفحہ نمبر ذکر کیے جاتے ہیں۔

۲۔دوسرا حصہ (اصل تحقیق):

یہ حصہ اصل موضوع پر مشتمل ہوتا ہے اس میں محقق اپنی مکمل کاوش تحریر کرتا ہے جو

اس نے اس خاص موضوع پر تحقیق کی ہے، یہی وہ حقیقت کی دریافت ہوتی ہے جو اس نے اس مقالہ میں پیش کرنے کی کوشش کی۔اس میں ابواب وفصول کے متعلقہ تمام مواد عنوانات کے تحت ذکر کیا جاتا ہے اس کو صلبِ موضوع اور متنِ مقالہ بھی کہتے ہیں۔

۳۔تیسرا اور آخری حصہ (فہارس):

مقالہ کا تیسرا اور آخری حصہ حوالہ جاتی مواد پر مشتمل ہوتا ہے۔اس حصے میں محقق مختلف فہارس جن میں قرآنی آیات، احادیث، اقوال، ابیات، اعلام، اماکن، بلدان وقبائل اور مصادر ومراجع شامل ہیں کی فہارس تیار کرتا ہے۔عنوانات کے متنوع ہونے کی وجہ سے فہارس مختلف بھی ہوسکتی ہیں۔

معیاری مقالہ کے خصائص:

عمدہ اور معیاری مقالہ کی چند خوبیاں ذکر ہوچکی ہیں دیگر اہم ترین درج ذیل ہیں:

۱۔ دورحاضر میں سب سے عمدہ اور معیاری اس مقالہ کو تصور کیا جاتا ہے جو اصول تحقیق کو ملحوظ خاطر رکھ کر لکھا گیا ہو۔

۲۔ مقالہ کے معیاری ہونے کا انحصار معلومات کے مستندم آخذ ومصادر پر ہوتا ہے۔

۳۔ مقالہ طویل تمہید اور تبصروں سے مبرا ہو، بلکہ اصل موضوع پر زیادہ سے زیادہ تحریر کیا گیا ہو۔

۴۔ مقالہ کی تحریر میں عالمانہ شان اور محققانہ وقار بہت ہی ضروری ہے۔

۵۔ اسلوبِ تحریر عام فہم، سادہ، واضح ہو اور اسی طرح مناسب وموزوں ترین الفاظ کا استعمال بھی اہم ترین خصائص میں سے ہے۔

۶۔ حواشی وحوالہ جات کا اصولوں کے مطابق اہتمام مقالہ کی شان بڑھاتا ہے۔

۷۔ ماہرین تحقیق کے نزدیک معیاری تحقیقی مقالہ اسے کہا جاتا ہے جس کی ہیئت وشکل وصورت بھی اصولِ تحقیق اور ادارہ کے فارمیٹ کے مطابق ہو۔

ڈاکٹر یوسف مرعشلی نے خصائص مقالہ کو اپنی کتاب ''اصول کتابة البحث العلمی'' میں دو حصوں موضوعیت اور منہجیت میں تقسیم کیا ہے یعنی مقالہ میں کسی بھی موضوع پر تمام کی تمام معلومات ایک ہی جگہ مل جاتی ہیں اور دوسرا یہ کہ ان معلومات کے ذکر کرنے میں منظم و مدلل منہج اختیار کیا ہوتا ہے جو مقالہ کی افادیت اور خوبصورتی کو بڑھا دیتا ہے۔

مجوزہ کتب برائے استفادہ:

★ اصول کتابة البحث العلمی وتحقیق المخطوطات ، الدکتور یوسف المرعشلی، بیروت ، لبنان ، دارالمعرفة للطباعة والنشروالتوزیع، ۲۰۰۳م۔

★ کیف تکتب بحثاأورسالة، الدکتور احمدشلبی مصری

☆ اردو میں اصول تحقیق، ایم سلطانہ بخش، مقتدرہ قومی زبان، اسلام آباد

☆ تحقیقی مقالہ نگاری، محمد عارف، ادارہ تالیف وترجمہ پنجاب یونیورسٹی، لاہور

☆ تحقیق، پہلا شمارہ، شعبہ اردو، سندھ یونیوسٹی، جام شورو ۱۹۸۷ء

سوالات:

۱۔ ایسے مقالہ کی نشاندھی کیجیے جو تحقیقی خصائص سے متصف ہو۔

۲۔ تسوید مقالہ سے پہلے محقق کو کن امور کو ملحوظ خاطر رکھنا چاہیے۔

۳۔ مقالہ کے بنیادی ارکان کون سے ہیں؟ وضاحت کیجیے۔

۴۔ مقالہ کے بنیادی واساسی اجزاء کون سے ہیں جو تشکیل مقالہ کے لیے ضروری ہیں؟

۵۔ دوران تسوید مقالہ محقق کو کن اصول وضوابط کو ملحوظ خاطر رکھنا ہوگا تاکہ معیاری وعلمی تحریر سامنے آئے؟

◆◆◆

مقالہ کی حوالہ بندی

اغراض ومقاصد:

اس باب کے مطالعہ کے بعد آپ اس قابل ہو جائیں گے کہ:

۱۔ حوالہ دینے کی ضرورت واہمیت اورافادیت جان سکیں۔

۲۔ حواشی اور ہوامش میں فرق کر سکیں اور حوالہ دینے کے مختلف مقامات سے آگاہ ہو سکیں۔

۳۔ جدید اصولِ تحقیق کے مطابق حوالہ بندی کے مختلف طرق سے جان کاری ہو۔

حوالہ بندی کی ضرورت واہمیت:

بحث وتحقیق کے میدان میں حوالہ بندی کی بہت ہی زیادہ ضرورت واہمیت ہے کیونکہ مقالہ کے معیاری یا غیر معیاری ہونے کا انحصار حوالہ جات کے مآخذ ومصادر اور منابع پر ہوتا ہے اوران کی افادیت سے انکار ممکن نہیں، چونکہ علمی وتحقیقی کام محقق سے تقاضا کرتا ہے کہ جو بات بھی ذکر کی جائے وہ ٹھوس اور علمی دلائل کے ساتھ کی جائے۔ یہی وجہ ہے کہ محققین اپنے کام کو وقیع بنانے کی غرض سے مصادر ومراجع کا سہارا لیتے ہیں اوران کا یہ تحقیقی سفراسی طرح تکمیل کی منازل طے کرتے ہوئے اختتام پذیر ہوتا ہے حوالہ جات کی ضرورت واہمیت اورافادیت کوکرنل غلام سرور یوں بیان کرتے ہیں:

"علمی تحقیق کا بنیادی تقاضا یہ ہے کہ جو کچھ ضبط تحریر میں لایا جائے یا جس بات کا زبانی اظہار کیا جائے، اس کی ٹھوس بنیاد موجود ہواوراس کے ثبوت میں مستند حقائق اور شواہد فراہم کیے جائیں۔ ایسا تحقیقی مقالہ جس میں دلائل کے ساتھ حوالہ جات نہ دیے گئے ہوں، ہرگز

معیاری قرار نہیں دیا جا سکتا، بلکہ اسے ایک فرد کے اپنے ذہن کی اختراع تصور کیا جاتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اپنی تحقیقی کاوشوں کو وقیع بنانے کی غرض سے محققین جدید کتب خانوں کا سہارا لیتے ہیں اور کتب خانوں کے ماہر عملے کی ہدایات اور راہنمائی کی روشنی میں اپنی تحقیقی کاوشوں کو پایہ تکمیل تک پہنچاتے ہیں"۔

عصر حاضر میں تحقیق کے میدان میں حوالہ کے لیے حاشیہ اور ہامش کی دو اصطلاحات مستعمل ہیں۔ انگریزی میں اس کے لیے (Footnote) اور اردو میں پاورق کی اصطلاح استعمال کی جاتی ہے۔

عموماً ان مصطلحات میں فرق نہیں کیا جاتا، لیکن فنی اعتبار سے ان میں دقیق سا فرق ہے۔

حاشیہ: یہ عربی زبان کا لفظ ہے اس کی جمع حواشی ہے۔ حاشیہ کسی چیز کی طرف یا کنارے کو کہتے ہیں۔ اصطلاحی طور پر اس سے مراد وہ توضیحی معلومات ہیں جو صفحہ کے اطراف و انحاء میں لکھی جاتی ہیں۔ جیسے ہمارے اسلاف لکھا کرتے تھے۔ انگریزی میں اس کے لیے (Abridgement) کا لفظ استعمال ہوتا ہے۔ مثال میں صفحہ کے اطراف و انحاء میں تیر کے نشان لگائے گئے ہیں ان اطراف میں جو معلومات لکھی جائیں گی ان کو حاشیہ کہیں گے۔ تحقیقی کاموں میں اب یہ انداز اختیار نہیں کیا جاتا۔

مثال:
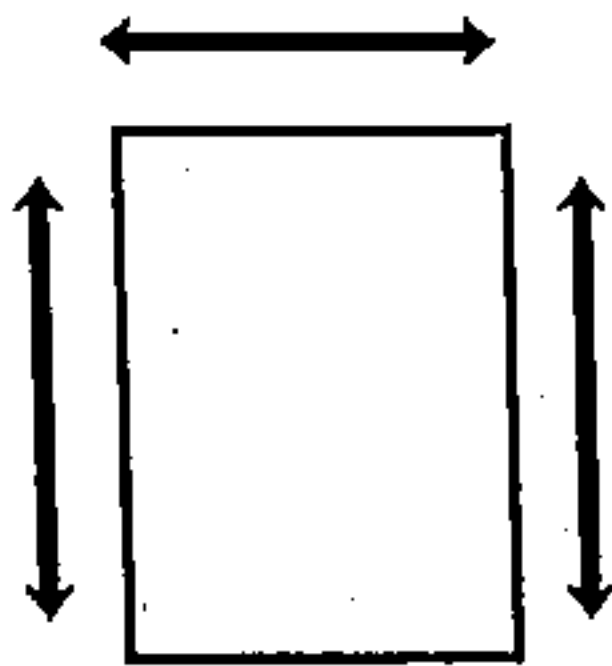
حاشیہ کے مقاصد:

(i) مبہم و پیچیدہ امور کی توضیح و تشریح۔

(ii) کسی امر کی توثیق و تائید کے لئے حوالہ ذکر کرنا۔

(iii) کسی آیت، حدیث یا قول کی تخریج کرنا ہے۔

ہامش:

یہ عربی زبان کا لفظ ہے انگریزی میں اسکے لیے (Footnote) کا لفظ مستعمل ہے۔ وہ معلومات یا توضیحی نوٹس جو محقق متن کے بارے میں صفحہ کی نچلی جانب یعنی ذیل میں لکھتا ہے ہوامش کہلاتے ہیں۔ مثال کے طور پر نیچے صفحہ کی نچلی جانب چھوٹی سی سطر لگا کر تیر کا نشان لگایا گیا ہے۔ اس جگہ جو معلومات یا توضیحی نوٹس لکھے جائیں گے ان کو ہوامش کہیں گے ۔ اگر یہی معلومات فصل یا باب یا مقالہ کے آخر میں تحریر کی جائیں تو انہیں Endnotes کہیں گے۔ مقاصد دونوں مصطلحات کے ایک ہی ہیں صرف جگہ کا فرق ہے۔
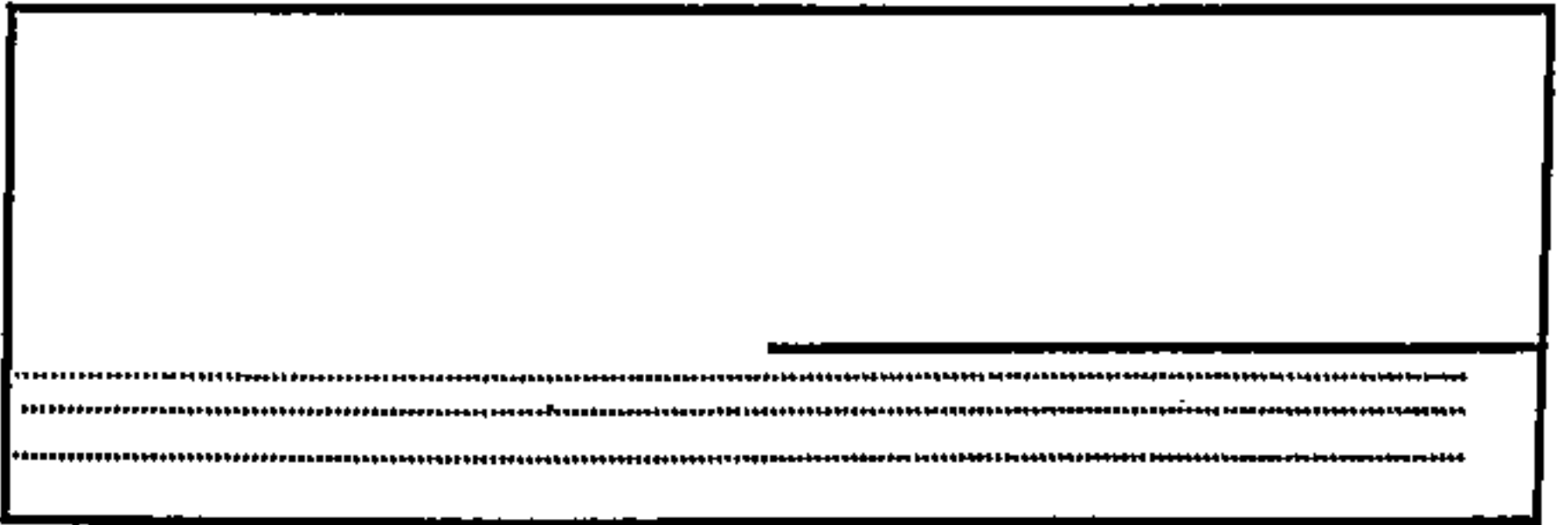
حوالہ بندی کے طریقے:

علمی و تحقیقی دنیا میں حوالہ بندی (حاشیہ نگاری) کے درج ذیل طریقے مروج ہیں:

(i) ایم ایل اے (MLA)

(ii) سی ایم ایس (CMS)

(iii) اے پی اے (A P A)

(iv) ایچ آر ایس(HRS)

(v) ترابین انداز(TS)

(vi) ایم ایس ایس(MMS)

(i) ایم ایل اے(MLA):

ایم ایل اے کی اصطلاحModern Language Association کی تخفیف شدہ شکل ہے یہ امریکہ کی ایسوی ایشن ہے جس نے تحقیق کے لیے یہ طریقہ متعارف کروایا۔ خاص طور پر اس طریقہ کو ادب، آرٹس، انسانی علوم اور لسانیات میں استعمال کیا جاتا ہے۔

(ii) سی ایم ایس(CMS)

سی ایم ایس کی اصطلاحThe Chicago Manual Style کا مخفف ہے۔ یہ طریقہ امریکن انگریزی لکھنے والوں کے لیے ۱۹۰۶ء سے مختص ہے۔ اس کا آغاز یونیورسٹی آف شکاگو پریس سے ہوا، اسی لیے اس کو اس نام سے موسوم کیا جاتا ہے۔ اس وقت اس کا سولھواں ایڈیشن رائج ہے۔ اس کے مطابق حوالہ دینے کا طریقہ درج ذیل ہے:

Okuda, Michael, and Denise Okuda. 1993. "Star Trek"

Charonology: The History of the Future: New York

یعنی سب سے پہلے مؤلف کا نام لکھتے ہیں، اس کے بعد سنِ اشاعت بغیر بریکٹ کے، پھر ٹائٹل، جگہ، اور پبلشر۔

(iii) اے پی اے(American Psychology Association)

امریکن سائیکالوجیکل ایسوی ایشن دنیا میں نفسیات کی سب سے بڑی تنظیم ہے۔ اس کے ممبران کی تعداد ڈیڑھ لاکھ سے زائد ہے۔ یہ طریقہ سائنس کے طلبہ اور اسکالرز کے لیے

متعارف کروایا گیا ہے۔اس میں سائنسی حقائق اور نمبرز (Figures) کو کس طرح لکھنا اور پیش کرنا کی وضاحت کی گئی ہے۔ خاص طور پر ٹیبل بنانے اور اس میں ارقام کو کس طرح تحریر کرنا، کی مشق کروائی گئی ہے اور حوالہ جات لکھنے کی ہدایات موجود ہیں۔

(iv) ایچ آر ایس (HRS)

ایچ آر ایس Harvard Referencing Style کا مخفف ہے۔ یہ طریقہ سب سے زیادہ معروف و مروج ہے اور Staffordshire یونیورسٹی میں استعمال کیا جاتا ہے۔ قانون اور سائیکالوجی کے طلبہ کے علاوہ تمام طلبہ سرکاری طور پر یہ طریقہ استعمال و اختیار کرتے ہیں۔ یہ طریقہ Author date style کے نام سے پہچانا جاتا ہے اس طریقہ میں زیادہ مؤلف/مصنف اور تاریخ اشاعت پر دیا جاتا ہے اور حوالہ جات الف بائی ترتیب کے مطابق مرتب کیے جاتے ہیں۔

Okuda, Micheal and Denise, (1993) Star Trek Choronology: The History of the Future. Newyork: Poket.

یعنی سب سے پہلے مؤلف، پھر سنِ اشاعت بریکٹ میں، کتاب کا نام اٹالین انداز میں، ایڈیشن، شہر اور آخر میں پبلشر۔

(v) ترابین انداز (Turabian Style)

یہ طریقہ کالج کے طلبہ کے لیے تیار کیا گیا ہے اور تمام مضامین میں استعمال ہوتا ہے جس نے اس طریقہ کو متعارف کرایا اس کا نام Katel Turabian تھا، اسی کے نام کی نسبت سے اس طریقہ کا نام بھی رکھ دیا گیا۔ بعض اوقات اس طریقہ کو (Documentary note or Humanities Style) کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے۔ اس طریقہ کے مطابق حوالہ لکھنے کا طریقہ درج ذیل ہے:

Okuda, Micheal and Okuda. 1993. Startrek

Choronology. The History of the Future. Newyork: Poket.

(vi) ایم ایس ایس(MSS):

یہ اصطلاح مسلم اسکالرز سٹائل(Muslim Scholars Style) کی تخفیف شدہ شکل ہے۔ یہ وہ طریقہ اندراج ہے جس میں کتاب کا نام پہلے لکھا جاتا ہے پھر مصنف یا مؤلف اس کے بعد جلد اور صفحہ، ناشر، مقامِ اشاعت اور سب سے آخر میں سن اشاعت ذکر کیا جاتا ہے۔ یہ طریقہ اندراج معروف طرق میں ذکر نہیں کیا جاتا، یہ علمی بد دیانتی ہے۔ مثلاً:

- الجامع الصحیح، محمد بن اسماعیل، البخاری، ۲/۵۰، قدیمی کتب خانہ، کراچی، ۱۹۵۳ء

جی سی یونیورسٹی فیصل آباد میں تحقیقی مقالات میں حوالہ دینے کا طریقہ کار:

گورنمنٹ کالج یونیورسٹی فیصل آباد میں تحقیق مقالات کے دوران حوالہ جات درج ذیل طریقہ کے مطابق ذکر کیے جائیں گے۔

سب سے پہلے مصنف یا مؤلف کا نام پھر لقب، کنیت یا وجہِ شہرت، کتاب کا نام، مقامِ اشاعت، ناشر اس کے بعد ایڈیشن (اگر ایک سے زیادہ ایڈیشن ہوں تو) پھر سن اشاعت اور سب سے آخر میں جلد نمبر، صفحہ نمبر ذکر کریں گے۔ مثلاً

۱۔ محمد اقبال، علامہ، ڈاکٹر، بانگِ درا، لاہور: شیخ غلام علی اینڈ سنز، بار پنجم، ۱۹۷۷ء، ص ۱۸

ایک ہی مصنف کی اُسی کتاب کا دوبارہ حوالہ فوراً دینا ہو تو ایضاً لکھ کر صفحہ نمبر درج کر دیا جائے۔ مثلاً:

- ایضاً، ص ۲۶

انگریزی میں ایضاً کی جگہ Ibid اور ص کی جگہ P اور اس کے بعد صفحہ کا نمبر درج کیا

جائے گا۔ مثلاً:

- محمد اقبال، علامہ، بانگِ درا، ص ۱۸

ایک کتاب کے تین یا تین سے زیادہ مصنفین ہوں تو حوالہ جات میں محض پہلے مصنف کا نام اوراس کے ساتھ و دیگر لکھا جائے گا لیکن کتابیات میں تینوں مصنفین کے ناموں کا اندراج ہوگا۔ مثلاً (حوالہ جات میں)

- محبوب خزاں (و دیگر) تین کتابیں، کراچی: مکتبہ آرسی، ۱۹۶۳ء، ص ۳۹
- وقار عظیم (و دیگر) اُردو کی دوسری کتاب، لاہور: پنجاب ٹیکسٹ بک بورڈ، ۱۹۸۱ء، ص ۳۶

کتابیات میں حوالہ مفصل و مکمل صورت میں ہوگا۔ مثلاً

- محبوب خزاں، محب عارفی، قمر جمیل، تین کتابیں، کراچی: مکتبہ آرسی، ۱۹۶۳ء

ایک ہی حوالہ متعدد مقامات پر دینا مقصود ہو تو اختصار کے لیے دورانِ تحقیق حوالہ لکھتے ہوئے معروف رموز واشارات کا استعمال کیا جائے۔ حوالہ نمبر ایک اور حوالہ نمبر دو بالکل یکساں ہونے کی صورت میں ایضاً کی اصطلاح استعمال کی جائے گی۔ انگریزی میں حوالہ دیتے وقت ایسی صورت درپیش ہو تو ایضاً کی بجائے Ibid کی اصطلاح استعمال کی جائے اور اگر صفحہ نمبر مختلف ہو تو اس کا نمبر دیا جائے گا۔ چند حوالوں کے وقفہ کے بعد مذکورہ کتاب کا حوالہ دینا ہو تو صرف مصنف کا نام اور کتاب کا نام نیز صفحہ نمبر ہی دیا جائے گا۔

کتاب میں شامل کسی دوسرے ادیب کی رائے کا حوالہ دینا:

اگر کسی نایاب یا کم یاب کتاب کا کوئی حوالہ (اصل کتاب نہ مل سکنے کے باعث) کسی دوسری کتاب سے لیا گیا ہو تو اس ثانوی حوالے سے عموماً گریز ہی کیا جائے تاہم اگر یہ حوالہ ناگزیر ہو تو اس طرح دیا جائے:

- کریم الدین، تذکرہ طبقاتِ شعرائے ہند، ص ۸۱، منقولہ: مشرقی شعریات اور اُردو

کی روایت، (از: ابوالکلام قاسمی)، لاہور: مغربی پاکستان اُردو اکیڈمی، ۲۰۰۰ء، ص ۱۱۶

مرتبہ/مدونہ کتاب کا حوالہ دینے کا طریقہ:

۱۔ نذیر احمد، ڈاکٹر، تحقیق و تصحیح متن کے مسائل، مشمولہ: اُردو میں اُصول تحقیق، مرتبہ: ڈاکٹر ایم سلطانہ بخش، اسلام آباد: مقتدرہ قومی زبان، طبع دوم، ۱۹۸۹ء، ص ۳۲۶۔

۲۔ عبادت بریلوی، ڈاکٹر، نگران، تاریخ ادبیاتِ مسلمانانِ پاکستان و ہند، جلد نمبر ۵، لاہور: نقوش پریس، ۱۹۹۸ء، ص ۹۸

۳۔ رشید حسن خان، مقدمہ: باغ و بہار، مصنف: میر امن، لاہور: نقوش پریس، ۱۹۹۸ء، ص ۹۸

لغات، انسائیکلوپیڈیا اور معارف سے حوالہ دینا:

- احمد دہلوی، سیّد، فرہنگِ آصفیہ، جلد اول، لاہور: سنگ میل پبلی کیشنز، ۲۰۰۲ء، ص ۸۷

یہ حوالہ اس طرح بھی درج کیا جا سکتا ہے:

- احمد دہلوی، سیّد، فرہنگِ آصفیہ، لاہور: سنگ میل پبلی کیشنز، ۲۰۰۲ء، ۸۷
- عملہ ادارت، اُردو لغت، جلد نمبر ۱۳، کراچی: اُردو لغت بورڈ، ۱۹۹۱ء، ص ۱۳
- ہاشمی فرید آبادی، سیّد، ایاز، (مقالہ) مشمولہ: اُردو معارف اسلامیہ، جلد نمبر ۳، لاہور: دانش گاہ پنجاب، طبع دوم، ۱۹۸۰ء، ص ۲۰۲

ترجمہ شدہ کتاب کا حوالہ دینا:

- ارسطو، پوئٹکس (Poetics)، عزیز احمد (مترجم)، بوطیقا، کراچی: انجمن ترقی اُردو، طبع دوم، ۱۹۶۱ء، ص ۸۴

رسائل و جرائد کا حوالہ دینا:

- مضمون نگار کا نام، مضمون کا عنوان، مشمولہ: رسالے کا نام، جلد نمبر (اگر ہو تو)، شمارہ

نمبر، مدیر یا مرتب کا نام قوسین میں، مدیر یا مرتب کے بعد رابطے (:) کی نشانی لگائی جائے گی شہر کا نام: ادارے کا نام، مہینہ، سال اور صفحہ درج کیا جائے گا۔۔۔جیسے

- غلام شمس الرحمٰن، ڈاکٹر، سلسلہ شاذلیہ کے صوفیانہ افکار کا تحقیقی جائزہ، مشمولہ: الاحسان، (مدیر: ڈاکٹر افتخار احمد خان) شمارہ نمبر ا، فیصل آباد: شعبہ علوم اسلامیہ و عربی، گورنمنٹ کالج یونیورسٹی، جنوری۔جون ۲۰۱۴ء، ص ۱۴۶

الہامی کتب سے حوالہ دینا:

مثال کے طور پر قرآن پاک سے حوالہ دینا مقصود ہو تو سورۃ کا نام پھر آیت کا نمبر درج کیا جائے گا۔۔۔جیسے:

- البقرۃ: ۱۴۳

حدیث کی کتاب سے حوالہ دینا:

- نووی، یحیٰی بن شرف الدین، الامام، اربعین نووی، تبویب: ابو ضیاء محمود احمد غضنفر، لاہور: نعمانی کتب خانہ، ۲۰۰۲ء، ص ۹۱

اگر حدیث کا نمبر بھی دستیاب ہو تو وہ بھی تحریر کیا جا سکتا ہے۔

گمنام، نامعلوم مصنفین کی کتب سے حوالہ دینا:

- نامعلوم، قیامت قریب ہے، لاہور: سنگ میل پبلی کیشنز، ۱۹۹۵ء، ص ۹

اخبار سے حوالہ دینا:

کسی اخبار سے حوالہ دیتے وقت کالم نگار/مضمون نگار کا نام، کالم یا مضمون کا عنوان، اخبار کا نام، شہر کا نام، جلد نمبر، شمارہ نمبر، تاریخ و سن اشاعت، صفحہ نمبر۔ مثلاً

- بشریٰ رحمٰن، چادر، چاردیواری اور چاندنی (کالم) مشمولہ: نوائے وقت، روزنامہ، لاہور، جلد نمبر ۶۹، شمارہ نمبر ۲۵۰، ۳۰ دسمبر ۲۰۰۹ء، ص ۲

مکتوب کا حوالہ دینا:

- احمد ندیم قاسمی، بنام ڈاکٹر قاضی عابد، (مملوکہ: ڈاکٹر قاضی عابد)، ۲۰ اگست ۲۰۰۵ء

غیر مطبوعہ کتاب کا حوالہ دینا:

- محبت خان محبت، دیوانِ محبت، (قلمی) مخزونہ: اُردو لغت بورڈ، کراچی

انٹرنیٹ کا حوالہ دینا:

- منظور احمد، ڈاکٹر، خرد افروزی کی روایت،

www//:urdudost.com/manzoorahmad/html, dated

22-10-2014, time, 06:30 pm

مقالے کی جلد بندی اور سافٹ کاپی:

۱۔ بیرونی اور داخلی ممتحن کو بھیجنے کے لیے تیار کرائے جانے والے مقالات کے تین تین نسخے لوز بائنڈنگ (Loose Binding) (رنگ بائنڈنگ/ٹیپ بائنڈنگ) میں پیش کیے جائیں گے۔ بعد میں پختہ جلد بندی کی جائے گی۔ ایم اے اور ایم فل کے لیے تین، جبکہ پی ایچ ڈی کے لیے مقالے کے چار نسخے پیش کیے جائیں گے۔ کوئی مقالہ اس وقت تک شعبہ میں پیش نہیں کیا جائے گا جب تک اُس کی کم از کم دو سی ڈیز (Cds) جن میں مقالے کا سارا مواد محفوظ ہو، پیش نہ کر دی جائیں۔ پیشکش کے وقت یہ سی ڈیز کمپیوٹر پر چلا کر چیک کرانا مقالہ نگار کی ذمہ داری ہوگی۔

۲۔ پی ایچ۔ڈی کے مقالات کی جلد کا رنگ گہرا سبز (Dark Green)، ایم فل کا سیاہ (Black) اور ایم اے کے مقالے کی جلد کا رنگ میرون (Meroon) ہوگا۔ بی ایس کے مقالے کا رنگ نیلا (Blue) ہوگا۔

۳۔ پشتہ پر مقالے کا عنوان، مقالہ نگار کا نام، سیشن درج ہوگا۔ نیز یونیورسٹی کا مونوگرام

بھی دیا جائے گا۔

مقالہ کے لیے صفحات اور سطور کا سائز:

کاغذ کا سائز A-4 (210mmx297mm) اُردو مقالات میں دائیں طرف "1.5 اور بائیں طرف "1 انچ حاشیہ چھوڑا جائے۔ اوپر "1.25 اور نیچے "0.75 انچ کا حاشیہ ہونا چاہیے۔ حاشیے کی جگہ چھوڑی جائے لیکن لائن لگا کر حاشیہ نہ بنایا جائے۔

مقالہ کے لیے تحریر کا سائز:

۱۔ مقالات برائے بی ایس: عنوانات 27، ذیلی عنوانات 23 اور عام متن 17 (نوری نستعلیق، سٹائل میں) حوالہ جات و حواشی فاؤنٹ سائز 16 فی صفحہ کم از کم 22 سطور

۲۔ مقالات برائے ایم اے: عنوانات 27، ذیلی عنوانات 23 اور عام متن 17 (نوری نستعلیق، سٹائل میں) حوالہ جات و حواشی فاؤنٹ سائز 16 فی صفحہ کم از کم 22 سطور

۳۔ مقالات برائے ایم فل: عنوانات 27، ذیلی عنوانات 23 اور عام متن 16 (نوری نستعلیق، سٹائل میں) حوالہ جات و حواشی فاؤنٹ سائز 16 فی صفحہ کم از کم 24 سطور

۴۔ مقالات برائے پی ایچ ڈی: عنوانات 27، ذیلی عنوانات 23 اور عام متن 16 (نوری نستعلیق، سٹائل میں) حوالہ جات و حواشی فاؤنٹ سائز 16 فی صفحہ کم از کم 24 سطور

عربی مقالات کے لیے تحریر کا سائز:

۱۔ مقالات برائے بی ایس: عنوانات 27، ذیلی عنوانات 23 اور عام متن 17 (Trad Arabic، سٹائل میں) حوالہ جات و حواشی فاؤنٹ سائز 16 فی صفحہ کم

از کم 22 سطور

۲۔ مقالات برائے ایم اے: عنوانات 27، ذیلی عنوانات 23 اور عام متن 17 (Trad Arabic، سٹائل میں) حوالہ جات وحواشی فاؤنٹ سائز 16 فی صفحہ کم از کم 22 سطور

۳۔ مقالات برائے ایم فل: عنوانات 27، ذیلی عنوانات 23 اور عام متن 16 (Trad Arabic، سٹائل میں) حوالہ جات وحواشی فاؤنٹ سائز 16 فی صفحہ کم از کم 24 سطور

۴۔ مقالات برائے پی ایچ ڈی: عنوانات 27، ذیلی عنوانات 23 اور عام متن 16 (Trad Arabic، سٹائل میں) حوالہ جات وحواشی فاؤنٹ سائز 16 فی صفحہ کم از کم 24 سطور

نوٹ: حوالہ جات میں کتاب کا نام انڈر لائن نہیں کیا جائے گا جبکہ کتابیات میں کتاب کا نام انڈر لائن کیا جاتا ہے۔

حواشی وہوامش کے مقاصد:

علماء و محققین نے حواشی وہوامش کے کئی مقاصد ذکر کیے ہیں ان میں سے کچھ ہم ذکر کر چکے ہیں، چند دیگر اساسی و بنیادی مقاصد حسب ذیل ہیں:

۱۔ حواشی وہوامش کا ذکر مقالے کی قدر و قیمت میں اضافے کا باعث ہے۔

۲۔ استدلال میں مدد ملتی ہے۔

۳۔ معلومات مستند و مدلل ہو جاتی ہیں۔

۴۔ غیر واضح و مبہم کلام کی توضیح میں مدد ملتی ہے۔

۵۔ کسی بات کی تردید یا تاکید کا اہم ذریعہ ہیں۔

۶۔ آیات و احادیث، اقوال و ابیات کی تخریج کا بہترین اور مؤثر ترین ذریعہ ہیں۔

۷۔ معلومات میں اضافے کا سبب

۸۔ ماخذ و منابع کی نشاندہی کی جاتی ہے۔

۹۔ قاری کے لیے آسانی و سہولت پیدا کرنا۔

۱۰۔ علمی سرقہ سے بچاؤ اور روک تھام کا ذریعہ ہیں۔

ہوامش کے اصول وضوابط:

علمی و تحقیقی کام کے تمام مراحل اصول وضوابط کو ملحوظ خاطر رکھنے کے متقاضی ہیں۔ اسی طرح حوالہ بندی کے مرحلہ میں خاص طور پر ان اصولوں کا خیال رکھنا ضروری ہے، تا کہ علمی کام وقیع ہو۔ چند اصول و شروط درج ذیل ہیں:

۱۔ ہوامش مختصر مگر جامع ہوں۔

۲۔ حوالہ جات مستند ہوں۔

۳۔ معروف ومشہور شخصیات واعلام کا تعارف اور ان کے بارے معلومات ذکر کرنے کی ضرورت نہیں، تا کہ ہوامش میں ثقل پیدا نہ ہو۔

۴۔ کثرت ہوامش سے اجتناب واحتیاط بہت ہی ضروری ہے، تا کہ قاری کی توجہ اصل کام سے ہٹ کر دوسری طرف نہ بٹ جائے۔

حواشی وہوامش کی جگہ اور طریقہ اندراج:

حاشیہ نگاری کی کوئی ایک طے شدہ، مخصوص جگہ اور طریقہ اندراج نہیں ہے، البتہ درج ذیل مقامات وجگہیں علمی کاموں کے دوران اس مقصد کے لیے استعمال کی جاتی ہیں:

ا۔ صفحہ کے دامن میں (At the end of each page):

یہ جگہ حواشی وہوامش کے لیے سب سے موزوں ہے اور اسی کو زیادہ پسند کیا جاتا ہے، کیونکہ قاری کو دوران مطالعہ اسی میں سہولت ہے۔ یہ طریقہ اختیار کرتے ہوئے ہر صفحہ کے حواشی کی ترقیم (Numbering) نئے سرے سے ہوگی مسلسل نمبر نہیں لگائے جاتے۔

۲۔ ہر باب یا فصل کے اختتام پر (At the end of each chapter):

تحقیقی مقالات میں یہ طریقہ بھی مستعمل ہے، لیکن یہ طریقہ زیادہ موزوں نہیں اس لیے کہ قاری کو بار بار صفحات پلٹنے پڑتے ہیں اور حواشی کی ترمیم میں اگر ایک مرتبہ غلطی ہو جائے تو پوری فصل یا باب کے حوالہ جات متاثر ہو جاتے ہیں اور محقق کو دوبارہ محنت کرنا پڑتی ہے۔

۳۔ مقالے کے اختتام پر (At the end of the thesis):

حوالہ جات ذکر کرنے کا یہ تیسرا اور آخری مقام ہے یہ طریقہ اختیار کرتے ہوئے حد درجہ احتیاط کی ضرورت ہے، چونکہ اس میں ترقیم مسلسل کی جاتی ہے۔ اگر مقالہ کا حجم بڑا ہو تو غلطی کا امکان بڑھ جاتا ہے۔ یہ طریقہ مضامین (Articles) کے لیے تو مناسب ہے بڑے حجم کے مقالات کے لیے موزوں نہیں۔ یہی وجہ ہے کہ محققین ہر صفحہ کے نیچے حوالہ جات ذکر کرنا پسند کرتے ہیں۔

علاماتِ ہوامش:

جہاں تک ہوامش کے اندراج کے لیے علامات یا ارقام کا تعلق ہے، تو اس کے لیے مختلف علامات اور طریقے استعمال کیے جاتے ہیں ان میں نمبرز (۱، ۲، ۳......)، سٹارز (☆) حروف ابجد (اب ج د ھ وز......) اور گول دائرہ (O) قابل ذکر ہیں۔ محقق کو اختیار ہے کہ وہ ان علامات میں سے کوئی طریقہ بھی حواشی کے اندارج کے لیے استعمال کر سکتا ہے، مگر ان میں معروف اور آسان ترین طریقہ نمبروں کے استعمال کا ہے اور یہی مروج و متداول ہے۔

حواشی و ہوامش کی اقسام:

حواشی و ہوامش کی نوعیت کو ملحوظ خاطر رکھتے ہوئے ان کو درج ذیل اقسام میں تقسیم کر

سکتے ہیں:

۱۔ متنی حواشی:

ان کا تعلق متن سے ہوتا ہے۔

۲۔ غیر متنی حواشی:

یہ حواشی تشریح یا وضاحت طلب امور و مسائل کے متعلق ہوتے ہیں ان کا نص یا متن کے ساتھ براہ راست تعلق نہیں ہوتا۔

۳۔ تصنیفی حواشی:

یہ وہ حواشی ہوتے ہیں جنھیں کسی کتاب کا مصنف بذات خود اپنی کتاب کے متن میں مذکور کسی شخصیت یا مسئلہ کے متعلق لگاتا ہے۔

۴۔ توثیقی حواشی:

ایسے حواشی جو معلومات کی توثیق اور ان کو مستند بنانے کے لیے لگائے جاتے ہیں، ان کا تعلق مصادر و مراجع یا ماخذ و منابع سے ہوتا ہے۔

حوالہ جات ذکر کرنے کی عملی مشق:

حوالہ بندی کے تحت دنیا میں معروف و مروج حوالہ جات کے طرق سے تعارف کروا دیا گیا ہے، اب ہم عملی طور پر حوالہ ذکر کرنے کی مشق کرتے ہیں تاکہ تحقیقی عمل سہل اور آسان ہو سکے۔

(۱) پہلی مرتبہ کسی بھی کتاب کا حوالہ لکھتے ہوئے مکمل معلومات کا اندراج ضروری ہے یعنی مؤلف کا نام، کتاب کا نام، ایڈیشن، مقام طباعت، شہر کا نام، ملک کا نام، سال، جلد اور صفحہ نمبر لکھیں گے۔ مثال کے طور پر آپ نے کتاب عربی ادب قبل از اسلام سے استفادہ کیا اس کا حوالہ اس انداز سے لکھیں گے۔

رضوی، خورشید الحسن (ڈاکٹر). عربی ادب قبل از اسلام (لاہور: ادارہ اسلامیات،

۲۰۱۰ء). ص ۱۷۔

اگر یہی کتاب دوسرے طریقے کے مطابق لکھیں جس میں کتاب کا نام پہلے لکھا جاتا ہے تو حوالہ اس انداز سے لکھیں گے:

عربی ادب قبل از اسلام: ڈاکٹر خورشید الحسن رضوی، لاہور، ادارہ اسلامیات، ۲۰۱۰ء، ص ۱۷۔

(ب) اگر کسی کتاب کے دو مؤلف ہوں تو حوالہ یوں لکھا جائے گا۔ مثلاً

- الازہری، کرم شاہ، پیر و ارشد، عبدالرسول، علامہ۔ ضیاء النبی ﷺ (لاہور: ضیاء القرآن پبلشرز، س ن)۔ ص ۵۰

(ج) اگر کسی کتاب کے تین یا تین سے زیادہ مؤلف ہوں تو صرف پہلے مؤلف کا نام لکھیں گے اور اس کے ساتھ اور دیگر، و''آخرون'' یا''And others''میں سے کسی ایک کا اضافہ کر دیں گے۔ مثلاً:

- فودہ، حلیمی، محمد (الدکتور) وآخرون۔ المرشد فی کتابۃ الابحاث (جدہ: دارالشروق، ۱۹۹۲ء) ص ۶۰

(د) اگر کتاب ترجمہ شدہ ہو تو اس کا حوالہ اس انداز سے لکھیں گے:

سرہندی، شیخ احمد۔ تہلیلیہ۔ ترجمہ ڈاکٹر محمد ہمایوں عباس شمس، (لاہور: تصوف فاونڈیشن)۔ ص ۳۰

(ہ) اگر کوئی کتاب تحقیق شدہ ہو تو اس کا حوالہ لکھنے کا طریقہ اس طرح ہوگا:

ابن عربی، محی الدین فتوحات مکیہ۔ تحقیق و تقدیم: ڈاکٹر عثمان یحییٰ (الهیئة المصرية العامة للكتاب، ۱۹۸۵ء) ص ۱۵۷

(و) اگر کسی کتاب پر نظر ثانی بھی کی گئی ہو تو اس کا حوالہ درج ذیل طریقے کے مطابق درج کیا جائے گا:

عباسی، عبدالحمید خان، اصول تحقیق، نظر ثانی: ڈاکٹر علی اصغر چشتی و ڈاکٹر عبدالحی ابڑو
، اسلام آباد: نیشنل بک فاؤنڈیشن، ۲۰۱۲ء، ص ۵۰

(ز) مقالات (Theses) سے حوالہ دینے کا طریقہ

علمی و تحقیقی مقالات (Theses) جو غیر مطبوعہ ہوں ان سے حوالہ دینے کا طریقہ یہ ہے۔

جمیل، فیاض الحسن، شرح الشاطبیة للسیوطی دراسة و تحقیق۔
(رسالة الدکتوراه غیر مطبوعة، جامعة الکلیة الحکومیة بفیصل آباد ۲۰۱۴ء)، ص ۱۵۰

(ح) اخبارات سے حوالہ دینے کا طریقہ:

(i) نوائے وقت، ۱۲/ اگست، ۲۰۱۴ء ص ۴

(ii) The Dawn, August 12, 2014. P.4

(iii) جریدة الاهرام، ۱۲ من اغسطس ۲۰۱۲م، ص ۴

(ط) رسائل و جرائد (مجلات) سے حوالہ دینے کا طریقہ:

خان، افتخار احمد، ''شیخ مجدد الف ثانی علیہ الرحمۃ کا عربی اسلوب نگارش''۔ پاکستان جرنل آف اسلامک ریسرچ۔ (والیم ۹، جون ۲۰۱۲ء)۔ ص ۵۳

(ی) انسائیکلوپیڈیا سے حوالہ دینے کا طریقہ:

اردو دائرہ معارف اسلامیہ، طبعہ۔ ۲۔ زیر مقالہ ''القرآن'' یا جو بھی مقالہ کا نام ہو وہ لکھ دیا جاتا ہے۔

(ک) ویب سائٹس (Websites) کا حوالہ لکھنے کا طریقہ:

مختلف ویب سائٹس پر معلومات اشاعت مختلف طریقوں سے درج کی ہوتیں ہیں۔ بعض سائٹس پر مکمل حوالہ لکھا ہوتا ہے اور بعض پر کم معلومات اندراج ہوتی ہیں، لہٰذا

جتنی معلومات میسر ہوں ان کو ذکر کر دیا جائے۔ عموماً ویب سائٹس کے حوالہ کے لیے درج ذیل معلومات درکار ہوتی ہیں:

(i) مصنف کا نام
(ii) ویب مضمون کا عنوان "واوین" کے اندر
(iii) ہوسٹ ویب سائٹ کا عنوان
(iv) ایڈیٹر کا نام
(v) ویب کے مندرجات کی تاریخ تجدید/ورژن نمبر
(vi) سپانسر کرنے والے کا نام
(vii) تاریخ رسائی(Access)
(viii) وقت (time)
(ix) مکمل یوآر ایل ویب ایڈریس

اس سے مراد Universal Resource Locator ہے۔

(ل) آن لائن ڈیٹا بیس مجلات کے مضامین سے حوالہ دینے کا طریقہ :

آن لائن ڈیٹا بیس مجلات کے مضامین سے حوالہ دینے کے لے درج ذیل معلومات درکار ہوتی ہیں:

(i) مضمون نگار کا نام
(ii) عنوان مضمون
(iii) مجلہ کا نام
(iv) شمارہ نمبر اور جلد نمبر
(v) تاریخ اشاعت مضمون
(vi) مضمون کا صفحہ نمبر

(vii) ڈیٹا بیس کا نام

(viii) لوکیشن کا نام جہاں سے ڈیٹا بیس تک رسائی ممکن ہوئی۔

(ix) مخفف یو آر ایل (ویب ایڈریس)

نوٹ: اگر ایک کتاب کا دوبارہ حوالہ دینا ہو تو تمام معلومات ذکر کرنا ضروری نہیں، صرف مؤلف کا نام اور صفحہ نمبر لکھنا ہی کافی ہے۔

☆ اگر ایک کتاب کا حوالہ دوبارہ لگاتار اور مسلسل دینا ہو، درمیان میں کوئی اور حوالہ نہ ہو تو، المرجع السابق، المرجع نفسہ، المصدر السابق، حوالہ مذکور، محولہ بالا یا Ibid میں سے کوئی ایک لکھ کر صفحہ نمبر لکھ دیا جاتا ہے۔

عربی میں:

المصدر السابق، ص ۳۴

اردو میں:

محولہ بالا ص ۳۴ یا حوالہ مذکورہ ص ۳۴

انگریزی میں:

Ibid, P.34 لکھیں گے

مجوزہ کتب برائے مطالعہ واستفادہ:

۱۔ کیف تکتب بحثاً أو رسالةً، از ڈاکٹر احمد شلبی مصری،

۲۔ المرشد فی کتابة الأبحاث، فوده حلیمی محمد، والدکتور، عبداللہ عبدالرحمن صالح، طبعة سادسة، جدة، دار الشروق ۱۹۹۲م

۳۔ لائبریری سائنس اور اصول تحقیق، از سید جمیل احمد رضوی، مقتدرہ قومی زبان، اسلام آباد، طبع دوم، ۱۹۹۲ء۔

۴۔ تحقیق وتدوین کا طریقہ کار، از ڈاکٹر خالق داد ملک، اورینٹل بکس، لاہور، ۲۰۱۲ء

۵۔ اردو میں اصول تحقیق، از ڈاکٹر ایم سلطانہ بخش۔
۶۔ تحقیق کا فن، ڈاکٹر گیان چند، مقتدرہ، قومی زبان، اسلام آباد
7. Berry, Ralph, How to Write a research paper, Oxford Pergamon Press, 1986
8. Gibaldi, Joseph, MLA Hand book for writers of research paper, 6th Edi, Modern Language Association of America, 1985
9. Turabian Kate, L. A Manual for writers of term papers, thesis and dissertation. Chicago: The University of Chicago, 1967
10. Lester, JD. Writing Research Paper,New York: Harper Collins, 1993

سوالات:

۱۔ حواشی اور ہوامش میں فرق کیجیے اور بتایئے کہ تحقیقی عمل میں ان کی کیا ضرورت و اہمیت ہے؟
۲۔ حاشیہ نگاری کے دنیا میں رائج اور متداول طریقے کون کون سے ہیں؟
۳۔ حاشیہ نگاری میں کن امور پر توجہ دینی چاہیے؟
۴۔ حواشی و ہوامش کی کتنی اقسام ہیں؟ وضاحت کیجیے۔
۵۔ آن لائن ڈیٹا بیس مجلات کے مضامین سے حوالہ دینے کا طریقہ کیا ہے؟ مثالوں سے وضاحت کیجیے۔

◆◆◆

مخطوطات کی تحقیق وتدوین

اہداف ومقاصد:

اس باب کے مطالعہ کے بعد آپ اس قابل ہو جائیں گے کہ:

(۱) مخطوطات کی اہمیت وتاریخ سے واقف ہو سکیں۔

(۲) مخطوطات کے عالمی کتب خانوں سے آگاہی۔

(۳) مخطوطات کی تحقیق وتدوین کے اصولوں اور مراحل سے جان کاری اور عملی تحقیق میں ان سے استفادہ کو ممکن بنانا۔

مخطوطات کا مفہوم:

مخطوطات عربی زبان کا لفظ ہے اور یہ مخطوط کی جمع ہے اردو میں اس کے لیے قلمی کتاب، قلمی نسخہ اور خطی نسخہ کے کلمات مستعمل ہیں جب کہ انگریزی میں Manuscript کا لفظ استعمال ہوتا ہے۔ مخطوط کے حروف اصلیہ ''خ ط ط'' ہیں یہ مادہ کتابت اور اُثر پر دلالت کرتا ہے جبکہ مخطوط کا لفظی معنی ہے لکھی ہوئی چیز۔ اصطلاحی طور پر مخطوط سے مراد

''هُوَ كِتَابٌ لَمْ يَتِمَّ طَبْعُهُ بَعْدُ، أَيْ أَنَّهُ مَازَالَ بِخَطِّ الْمُؤَلِّفِ أَوْ بِخَطِّ نَاسِخٍ غَيْرِهِ''... ھے۔

ایسی کتاب جو ابھی تک چھپی نہ ہو یعنی ابھی تک مؤلف یا ناسخ کی لکھائی میں لکھی ہوئی ہو۔

اسی طرح مخطوط سے مراد: ہر وہ کتاب ہے جسے مؤلف نے خود اپنے ہاتھ سے لکھا ہو، یا اس کے شاگردوں میں سے کسی نے اپنے ہاتھ سے لکھا ہو، یا ان کے بعد آنے والے کاتبوں نے اسے اپنے ہاتھ سے تحریر کیا ہو۔

مخطوط کی تعریف وتوضیح میں یہ بھی کہا گیا ہے کہ:

"هُوَ عَمَلٌ عِلْمِیٌ صَنعَهٗ عَالِمٌ أَوْ أَدِیْبٌ مِنْ أَسلَافِنَا فِی الْعُصُوْرِ الْمُتَقَدِّمَةِ فَتَنَاقَلَتْهُ أَیْدِی النَّاسِ جِیلاً بَعْدَ جِیلٍ..."

مخطوط سے مراد، وہ علمی کام جسے عصور متقدمہ میں ہمارے اسلاف میں سے کسی عالم یا ادیب نے تحریر کیا ہو، تو وہ اسی طرح نسل در نسل منتقل ہوتا ہوا ہم تک پہنچ گیا ہو۔

دراصل مخطوطات ایسا علمی وادبی ورثہ وسرمایہ ہے جو بعد میں لکھی جانے والی کتب و مراجع کا اصل مصدر، سرچشمہ اور اساس ہے اس لیے اس کی اہمیت سے انکار ممکن نہیں۔

اہمیت وتاریخ مخطوطات:

اسلام دین فطرت ہے، اس لیے اس نے اپنی توجہ ابتدا سے علم پر ہی مرکوز رکھی اور اس کا بہت زیادہ اہتمام بھی کیا۔ اس کا اندازہ اس بات سے بھی لگایا جا سکتا ہے کہ پہلی وحی میں بھی تعلیم وتعلم کا ہی ذکر تھا یہی وجہ ہے کہ امت مسلمہ نے علم اور اس کے دیگر مجالات کی طرف بھرپور توجہ دی اور عربی مکتبہ کو مالا مال کر دیا۔ یہ اس دور کی بات ہے جب تمام غیر اسلامی ممالک جہالت کے گھٹا ٹوپ اندھیروں میں ڈوبے ہوئے تھے، حتیٰ کہ یورپ کی بھی ایسی ہی حالت تھی، جو آج دنیا کی امامت وسرداری کا دعویٰ کرتا ہے۔

زندگی کی مختلف جوانب میں سے کوئی جانب یا بشری ثقافت کے نواحی میں سے کوئی طرف، یا علوم وفنون میں سے کوئی علم یا فن ایسا نہیں تھا جس کی طرف ابنائے اسلام نے توجہ نہ دی ہو، مسلمانوں نے نہ صرف علوم وفنون کی تدوین کی، بلکہ احسن وعمدہ انداز سے ان کی تدوین کا حق ادا کیا۔ اس وقت کے طلبہ اور علماء کتب اپنے ہاتھوں سے لکھا کرتے تھے یا نساخ سے اجرت پر لکھوایا کرتے تھے یعنی ساری کی ساری کتب ہاتھ سے ہی لکھی جاتی اور نقل کی جاتی تھیں، اس طرح بعض کتب کے ہزاروں نسخے بن گئے۔ اسی طرح اس وقت کے نساخ اور کُتّاب دوران کتابت اور مختلف خطوط اور رسم الخط میں اپنی کاریگری اور فنکاری

کا اظہار کیا کرتے تھے، اس سے پتا چلتا ہے کہ وہ کس قدر علم اور کتاب کا اہتمام کرتے اور اسی طرح عصور متقدمہ کے بعض ایسے نادر و بدیع نمونہ جات و ماڈل بھی ہم تک پہنچے ہیں، جن سے ان کے لکھنے کے مختلف اسالیب و انداز کا پتا چلتا ہے۔ حتیٰ کہ مختلف علاقوں میں خط و کتابت کے اسالیب بھی مختلف تھے، جیسا کہ خط کوفی، خطِ شامی اور خطِ مغربی وغیرہ۔ ہر ایک خط کی اپنی خوبیاں، ملامح اور خدوخال ہوتے تھے تو اس طرح عربی عرسم الخط کی ترقی و تطور نے بھی مخطوطات کے زمانہ کے تعین میں بڑا اہم کردار کیا۔ کیونکہ عرب ابتداء میں نقطے نہیں لگایا کرتے تھے۔ پھر بعد میں اعجام (نقطے لگانا) کا آغاز ہوا اور یہ نقطے کئی اہداف و مقاصد کی غرض سے لگائے جاتے تھے۔ اسی طرح مخطوطات میں نظر دوڑانے سے معلوم ہوتا ہے کہ ہمارے اسلاف ابیات لکھتے ہوئے ایسے اسلوب و انداز میں تحریر نہیں کیا کرتے تھے جس سے ابیات اور عبارت میں تمیز کی جا سکے۔ اکثر کتاب ابیات کو نثری انداز میں عبارت کے اندر ہی ذکر کر دیا کرتے تھے، اسی طرح قرآنی آیات بہت کم مکمل ذکر کیا کرتے تھے، بلکہ صرف ان کی طرف اشارہ کرنا ہی کافی محسوس کرتے تھے، سورت کا نام اور آیت نمبر کا ہی ذکر کرنا ضروری نہیں سمجھتے تھے، اور ایسا ہی احادیث نبویہ اور آثار و اقوال ذکر کرتے ہوئے کرتے تھے۔ ان کے پیش نظر یہ بات ہوتی تھی کہ وہ جس بات یا واقعہ یا مسئلہ کی طرف اشارہ کر رہے ہیں، ان کے قراء اور طلبہ اس کو اچھی طرح سمجھ رہے ہیں جس کی طرف وہ اشارہ کر رہے ہیں۔ یہ امر اس وقت کے قراء اور طلبہ کی وسعتِ علمی اور ثقافہ علمیہ پر دلالت کرتا ہے۔

اس مذکورہ تحریر میں ہم نے مخطوطات کے بعض خصائص، میزات اور ملامح کی طرف اشارہ کیا ہے اس سے یہ بات عیاں ہوتی ہے کہ مخطوطات کس طرح ہماری تاریخ اور اجتماعی زندگی جو ہمارے اسلاف نے گذاری ہے، پر دلالت کرتے ہیں، اور یہ بھی پتا چلتا ہے کہ علم اور کتاب کے ساتھ ان کی کتنی محبت، شغف، لگاؤ اور اہتمام تھا اور مزید یہ کہ مخطوطات سے

یہ بھی پتا چلتا ہے کہ:

عربی رسم الخط کی تاریخ، ارتقاء اور تطور کیسے ہوا۔ اسی طرح دیگر کئی ایک اور امور بھی ہیں جن سے واضح ہوتا ہے کہ مخطوطات کس قدر اہمیت کے حامل ہیں اور ایک ایسے مرتبہ پر فائز ہیں جس کو نظر انداز نہیں کیا جا سکتا۔

مخطوطات کی تاریخ:

مخطوطات کی تاریخ بہت ہی قدیم ہے اس کی کڑیاں فن کتابت کی تاریخ سے جا ملتی ہیں۔ کسی حتمی تاریخ کا تعین تو ممکن نہیں، البتہ مخطوطات کی ابتدائی اقسام کو درج ذیل حصوں اور اقسام میں تقسیم کیا جا سکتا ہے۔

۱۔ مخطوطات کی پہلی قسم پتھروں پر تحریر کردہ ہے۔
۲۔ دوسری قسم پتوں پر تحریر کی شکل میں سامنے آتی ہے۔
۳۔ تیسری قسم مٹی کی تختیوں پر تحریر کردہ شکل میں۔
۴۔ چوتھی قسم چین میں تیار کردہ کاغذ کی شکل میں تحریر کردہ مخطوطات ہیں۔
۵۔ جانوروں کی کھالوں پر تحریر کردہ مخطوطات
۶۔ رومانیوں کے ہاں تحریر کردہ مخطوطات
۷۔ عربوں کے ہاں تحریر کردہ مخطوطات کی قسم جس میں کھجور کے پتے، جانوروں کی ہڈیاں، پتھر اور کھالیں شامل ہیں۔

تاریخی شواہد سے یہ بات بھی عیاں ہوتی ہے کہ عرب ظہور اسلام سے قبل فن کتابت سے واقف تھے۔ بعثت نبوی کے بعد کتابت مزید پروان چڑھی اور یہ سلسلہ خلفائے راشدین کے دور اور بعد میں بھی جاری و ساری رہا۔ حتیٰ کہ دوسری صدی ہجری ارتقائے کتابت کے بلند زینوں کو چھونے لگی اور بہت ساری کتب امالی [1] کی شکل میں ظہور پذیر

ہوئیں۔ جبکہ تیسری صدی ہجری میں طبقہ وارقین [۲] کا ظہور ہوا اور مختلف علوم وفنون میں مسلمانوں نے گرانقدر خدمات انجام دیں، جس کی بدولت کتب خانے کتابوں اور مخطوطات سے مالا مال ہو گئے، جو آج دنیا کی مختلف لائبریریوں کی زینت بنے ہوئے ہیں۔

مخطوطات کے عالمی کتب خانے:

ہمارے اسلاف کا علمی وادبی ورثہ دنیا کے مختلف کتب خانوں کی زینت بنا ہوا ہے جن کو دیکھنے سے انسانی عقل مبہوت وحیران ہوئے بغیر نہیں رہ سکتی۔ اس کی بنیادی وجہ ہی یہ ہے کہ اسلام نے اپنی توجہ علم پر مرکوز رکھی اور اس کا بہت زیادہ اہتمام بھی کیا۔ پہلی وحی میں بھی تعلیم و تعلم اور قلم کا ہی ذکر تھا یہی وجہ ہے کہ امت مسلمہ نے علم کے تمام میادین پر اتنی توجہ دی جتنی کسی اور امت نے نہ دی۔ اس کے نتیجہ میں عربی کتب خانے مالا مال ہو گئے اور یہ اس دور میں غنی ہوئے جب تمام غیر اسلامی ممالک جہالت کے غلاف میں لپٹے ہوئے تھے، حتی کہ یورپ جو آج دنیا کی امامت کا دعوی کرتا ہے، بھی جہالت کے گھٹا ٹوپ اندھیروں میں ڈوبا ہوا تھا۔

اس عظیم اسلامی علمی وادبی ورثہ سے واقفیت وشناسائی کے لیے ضروری ہے کہ عالمی کتب خانوں سے جان کاری ہو۔ وہ عالمی کتب خانے جو اپنے اندر مخطوطات لئے ہوئے ہیں، کو تین حصوں میں تقسیم کرتے ہیں:

(ا) پاکستان کے مشہور کتب خانے:

۱۔ ادارہ تحقیقات اسلامی لائبریری اسلام آباد (IRI)

۲۔ نیشنل میوزیم آف پاکستان، کراچی

۳۔ اسلامیہ کالج لائبریری، پشاور

۴۔ اسلامیہ یونیورسٹی لائبریری، بہاولپور

۱۔ املاء کروائی ہوئی، زبانی لکھوائی گئی کتابیں

۲۔ وہ لوگ جنہوں نے کاغذ کی صنعت، کتابت اور قلمی نسخوں کی تیاری کو ذریعہ معاش بنایا۔

۵۔ پیر جھنڈو لائبریری، حیدر آباد

۶۔ سندھ یونیورسٹی جامشورو لائبریری

۷۔ پنجاب یونیورسٹی لائبریری، لاہور

۸۔ پنجاب پبلک لائبریری، لاہور

۹۔ دیال سنگھ ٹرسٹ لائبریری، لاہور

۱۰۔ ڈاکٹر احمد حسین قلعداری لائبریری، گجرات

۱۱۔ ایران پاکستان انسٹی ٹیوٹ آف پرشین سٹڈیز، راولپنڈی۔

۱۲۔ لاہور میوزیم لائبریری، لاہور

(ب) امریکہ اور یورپ کے معروف کتب خانے:

عربی مخطوطات کی ایک کثیر تعداد امریکہ اور یورپ کے کتب خانوں میں موجود ہے۔ کہا جاتا ہے کہ ان لائبریریوں میں ایک لاکھ سے زائد مخطوطات موجود ہیں۔ ان مخطوطات کو عرب اور اسلامی دنیا سے یورپ منتقل کرنے میں انگریز حکمرانوں اور بادشاہوں نے اہم کردار ادا کیا۔ چند مشہور و معروف کتب خانے حسب ذیل ہیں:

۱۔ پرنسٹن یونیورسٹی لائبریری، امریکہ

(www.liberary.princetoneducatalogs)

۲۔ کانگرس لائبریری، واشنگٹن، ڈی سی، امریکہ (www.loc.gov)

۳۔ نیویارک پبلک لائبریری امریکہ (www.nypl.org)

۴۔ برٹش لائبریری، انگلینڈ (www.bl.uk)

۵۔ انڈیا آفس لائبریری، انگلینڈ (www.iol.uk)

۶۔ ویٹی کن لائبریری، روم، اٹلی (www.vaticanlibrary.va)

۷۔ نیشنل لائبریری آف سپین (www.theeuroheanlibrary.org)

۸۔ ہیپبرن لائبریری، مدرید، اسپین

(www.hepburnlibraryofmadrid.org)

۹۔ پبلک لائبریری، پیرس فرانس (www.parispubliclibrary.org)

۱۰۔ برلن پبلک لائبریری، جرمنی (www.berlinlibrary.org)

۱۱۔ لیپزگ یونیورسٹی لائبریری، جرمنی

(www.islamic-manuscripts.net/)

۱۲۔ اپسالا یونیورسٹی لائبریری، سویڈن (www.uu.se/en/)

۱۳۔ نیشنل لائبریری، روس (www.nlr.ru/eng/)

۱۴۔ کازان اسٹیٹ یونیورسٹی لائبریری، روس (www.abut kazan.com)

۱۵۔ لائیڈن یونیورسٹی لائبریری، ہالینڈ (www.library.leiden.edu/)

۱۶۔ رائل لائبریری، کوپن ہیگن، ڈنمارک (www.kb.dk/en/)

(ج) اسلامی وعرب دنیا کے معروف کتب خانے:

اسلامی وعرب دنیا بھی مخطوطات جیسے علمی وادبی ورثہ سے مالا مال ہے جو مختلف کتب خانوں کی زینت ہیں ان کا احاطہ ممکن نہیں، لہٰذا چند مشہور ومعروف مکتبات کے ذکر پر اکتفا کرتے ہیں جو اس قیمتی دولت کو اپنے اندر سموئے ہوئے ہیں:

۱۔ مکتبۃ الجامع الکبیر، قیروان، تیونس

۲۔ مکتبۃ جامع الزیتولۃ، تیونس

۳۔ مکتبہ المسجد النبوی، المدینۃ المنورۃ، سعودی عرب

۴۔ مکتبۃ عارف حکمت، المدینۃ المنورۃ، سعودی عرب

۵۔ مکتبۃ الحرم المکی، سعودی عرب

۶۔ معہد المخطوطات العربیۃ، حلب، شام

۷۔ نوادر مخطوطات الجامع العمری الکبیر، فلسطین

۸۔ دار الکتب المصریۃ، قاھرۃ، مصر

۹۔ مکتبۃ الأزھر، مصر

۱۰۔ خزانۃ مخطوطات مکتبات اصفھان، ایران

۱۱۔ المکتبۃ المرکزیۃ للمخطوطات الاسلامیۃ، تبریز، ایران

۱۲۔ استنبول یونیورسٹی لائبریری، ترکی

۱۳۔ دار الکتاب الأردنی، عمان، الاردن

جدید مراکز برائے حفاظت مخطوطات:

دورِ حاضر کو تحقیق و تدوین کا دور کہا جاتا ہے اس غرض کے لیے بعض جدید مراکز قائم کیے گئے ہیں، جو مخطوطات کی حفاظت اور تحقیق و تدوین میں مصروفِ عمل ہیں چند ایک معروف مراکز درج ذیل ہیں۔

۱۔ معہد احیاء المخطوطات، قاہرۃ، مصر

۲۔ قسم المخطوطات، امام محمد بن سعود اسلامی یونیورسٹی ریاض

۳۔ مرکز البحث العلمی واحیاء التراث الاسلامی، شاہ عبدالعزیز یونیورسٹی

۴۔ مرکزی لائبریری، شاہ سعود یونیورسٹی، ریاض سے ملحق شعبہ مخطوطات

۵۔ مرکز الملک فیصل، ریاض، سعودی عرب

تحقیقِ مخطوط کے مراحل:

جس طرح علمی مقالہ مختلف مراحل سے گزر کر پایۂ تکمیل کو پہنچتا ہے اسی طرح تحقیق و تدوینِ مخطوط کے بھی مختلف مراحل ہیں اور ہر مرحلہ کی اپنی اہمیت ہے۔ تحقیق مخطوط کا پہلا مرحلہ اچھے مخطوط کا انتخاب ہے۔ یہ مرحلہ محقق سے کچھ شروط کو ملحوظ خاطر رکھنے کا متقاضی ہے اور وہ درج ذیل ہیں:

۱۔ سب سے پہلی اور اہم شرط یہ ہے کہ مخطوط جس کا محقق انتخاب کرنا چاہتا ہے اس کے ایک سے زائد قلمی نسخوں کا ہونا بہت ضروری اور مستحسن ہے۔

۲۔ ایسے مخطوط کا انتخاب بھی کیا جا سکتا ہے جس کا صرف ایک ہی خطی نسخہ ہو، وہ صرف ایسی صورت میں جب نسخہ یتیمہ بہت ہی قابلِ قدر (Valuable) اور علمی ہو۔

۳۔ مخطوط کی پہلے تحقیق و تدوین نہ ہوئی ہو، البتہ اگر کسی مخطوط کی تحقیق کا حق ادا نہ ہو سکا ہو اور بہت سی خامیاں اور اغلاط رہ گئی ہوں، تو اسے دوبارہ تحقیق کے لیے منتخب کیا جا سکتا ہے۔

۴۔ مخطوط موضوع اور مواد کے اعتبار سے قیمتی، علمی اور تحقیق کا مستحق ہو۔

۵۔ مخطوط مقروء ہ یعنی ایسا ہو جو پڑھا جا سکے، بصورت دیگر تحقیق کا حق ادا نہ ہو سکے گا۔

۶۔ مخطوط کامل ہو، ابتدا یا اختتام سے ناقص نہ ہو۔

۷۔ مخطوط کا حجم مناسب ہو، نہ زیادہ چھوٹا اور نہ ہی بہت بڑا ہو۔

۸۔ محقق کو یقین ہو کہ وہ مخطوط کے تمام نسخوں کو حاصل کرنے میں کامیاب ہو جائے گا اگرچہ وہ نادر و نایاب ہی کیوں نہ ہوں اور خواہ سفر کی کتنی ہی صعوبتوں اور اخراجات کو برداشت کرنا پڑے۔

۹۔ رسم الخطوط سے آگاہی بہت ہی ضروری ہے کیونکہ یہ اَمر تحقیقی عمل کی اساس ہے۔

۱۰۔ موضوعِ مخطوط کے بارے میں بنیادی معلومات سے واقفیت اور اس میں دلچسپی بہت ہی ضروری ہے۔

۱۱۔ محقق زبان کے لسانی ارتقاء سے واقف ہو، تاکہ لفظوں کا صحیح تعین کر سکے۔

مذکورہ بالا شرائط کو مدنظر رکھتے ہوئے محقق مخطوط کا انتخاب کرے اور پھر مخطوط کے دیگر نسخوں کی تلاش شروع کر دے اور درج ذیل طریقوں سے مخطوط تک رسائی کی کوشش کرے:

۱۔ لائبریریوں سے رجوع جہاں مخطوطات موجود ہوں۔

۲۔ فہارس المخطوطات کا مطالعہ

۳۔ کتب المخطوطات کا مطالعہ

۴۔ جدید مراکز مخطوطات سے رابطہ

اسی طرح درج ذیل کتب اور فہارس، مخطوطات تک رسائی کے لیے مفید اور مدد و معاون ثابت ہو سکتی ہیں کیونکہ محقق جب ارادہ کر لے کہ وہ موضوعِ تحقیق مخطوط کو ہی بنائے گا تو اس پر لازم ہے کہ وہ فہارس و کتب، مخطوطات کی طرف رجوع کرے تا کہ معلوم ہو سکے کہ کون کون سے نادر و قیمتی مخطوطات کہاں کہاں پڑے ہوئے ہیں۔ اس حوالہ سے وہ درج ذیل کتب، فہارس اور مجلّات کا ضرور مطالعہ کرے:

۱۔ معجم الشاملۃ، ریاض یونیورسٹی، سعودی عرب

۲۔ معجم المطبوعات العربیۃ فی شبہ القارۃ، ڈاکٹر احمد خان

۳۔ معجم المخطوطات العربیۃ، فوائد سزکین

۴۔ معجم المخطوطات العربیۃ فی باکستان

۵۔ فہرست دست نوشت ہای ایران (۱۲ جلدیں)، مصطفی درای

۶۔ فہرست مشترک نسخہ ہای خطی فارسی، پاکستان (۱۵ جلدیں)، احمد منزوی

۷۔ کتاب خانہ ہا و مجموعہ ہای نسخہ ہای خطی عربی در جہان، ترجمہ: چنگیز پہلوان، انتشارات معارف، تہران، ۱۳۳۶ شمسی

۸۔ کتاب شناسی فہارس نسخہ ہای خطی عربی و فارسی در جہان، تہران یونیورسٹی، تہران، ایران

۹۔ معجم المطبوعات العربیۃ و المصریۃ، یوسف الیان سرکیس

۱۰۔ دلیل الباحث فی التراث العربی، بسام الجابی

۱۱۔ مجلة معهد المخطوطات، اصدار: جامعة الدول العربية، قاهرة، مصر

۱۲۔ فہارس مخطوطات ترکی (Turkish Biblographies of Manuscripts)

مخطوط کے تمام نسخوں یا زیادہ سے زیادہ جن تک رسائی ممکن ہو، کرنے کے بعد خاکہ سازی کا مرحلہ آتا ہے، خاکہ سازی اور اس کی اہمیت کے بارے ہم تفصیلاً گفتگو کر چکے ہیں، اس کے باوجود اس جگہ خاکہ برائے تحقیق مخطوط پر کچھ گفتگو کرنا مناسب ہے، کیونکہ مخطوط کی تحقیق و تدوین کا خاکہ دیگر خاکہ جات سے کچھ مختلف ہوتا ہے۔ ذیل میں مخطوط کی تحقیق کا عملی خاکہ پیش کرتے ہیں، تا کہ سمجھنے میں آسانی ہو۔ یہ عربی مخطوط ہے اس لیے شروع میں اس کا خلاصہ اردو میں ذکر کرتے ہیں تا کہ عربی نہ جاننے والے بھی استفادہ کر سکیں پھر عربی میں خاکہ ذکر کریں گے تا کہ عربی کے طلبہ بھی استفادہ کر سکیں۔

علامہ سیوطی کی شرح شاطبیہ
تحقیقی اور تقابلی جائزہ

خاکہ برائے تحقیقی مقالہ پی ایچ ڈی (عربی)

سیشن: ۲۰۰۹ـ۲۰۱۲ء

مقالہ نگار:
حافظ فیاض الحسن جمیل
رول نمبر: ۳۰۷۶

نگران مقالہ:
ڈاکٹر حافظ افتخار احمد خان
اسسٹنٹ پروفیسر شعبہ عربی

شعبہ عربی
جی سی یونیورسٹی، فیصل آباد

خاکہ برائے تحقیق مخطوط:

شرح الشاطبیۃ للسیوطی

(دراسۃ وتحقیق)

تعارف موضوع (Introduction):

علم القراءات کا تعلق قراءات قرآنیہ کے ساتھ ہے یعنی حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے کن کن طریقوں سے قرآن مجید کی تلاوت فرمائی اور صحابہ کو سکھائی۔ امام زرقانی فرماتے ہیں: "قراءت اس طریقے کو کہتے ہیں جو ائمہ قراءات میں سے کسی قاری نے دوسرے قراء اور راویوں سے اختلاف کرتے ہوئے اپنایا ہو، چاہے یہ مخالفت لفظ کی ادائیگی میں ہو یا کیفیت میں (مناہل العرفان، زرقانی، ۱/۴۱۰)

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَرَتَّلْنَاهُ تَرْتِيلاً (الفرقان:۳۲)

ہم نے اس قرآن کو تجوید سے پڑھا۔

اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو حکم دیا گیا:

وَرَتِّلِ الْقُرْآنَ تَرْتِيلاً (المزمل:۴)

اور قرآن کو خوب ٹھہر ٹھہر کر پڑھو (یعنی تجوید سے)

اسی طرح اس کی اہمیت امام زمانہ علامہ جزری کے اس شعر سے بھی اجاگر ہوتی ہے جوانہوں نے اپنے مشہور زمانہ قصیدہ "المقدمۃ الجزریۃ" میں فرمایا:

لانہ بہ الالہ انزلا

وھکذا منہ إلینا وصلا

"یہ قرآن مجید اللہ پاک کی بارگاہ سے تجوید ہی کے ساتھ نازل ہوا اور ہم تک اسی طرح

(تجوید سے ہی) پہنچا''(المقدمة الجزریة، شعر نمبر: ۱۲، ص ۵)

لہٰذا ہمارے اوپر لازم ہے کہ ہم تلاوت قرآن کے مختلف طریقوں کو جانیں تا کہ ہم قرآن پڑھنے میں غلطی سے بچتے ہوئے ان تمام طریقوں سے اس کی تلاوت کر سکیں جن سے سرکار دو عالم ﷺ نے اپنے صحابہ کو تعلیم فرمائی۔

مشہور زمانہ کتاب حرز الامانی و وجه التهانی (المعروف شاطبیه) کی اہمیت علم القراءات میں مسلم ہے اور پوری دنیا میں پڑھی اور پڑھائی جاتی ہے۔ اس کی اہمیت کا اندازہ اس بات سے لگایا جا سکتا ہے کہ اکابرین اُمت نے ہر دور میں اس کتاب کی شرح کرنے کو اپنے لیے باعث صد افتخار سمجھا ہے۔ اسی لیے اس کتاب کی بیسیوں شروح مختلف زبانوں میں موجود ہیں۔ اسی سلسلہ کی ایک خوب صورت کڑی علامہ جلال الدین سیوطی کی شرح شاطبیہ ہے۔ جو آج تک قلمی نسخہ کی صورت میں ہے۔ اس کی اہمیت اور باقی عربی اردو شروح کے مقابلہ میں اپنے شارح کے قد کے مطابق علمی مقام اظہر من الشمس ہے۔ یہ قلمی نسخہ مسجد نبوی شریف کی لائبریری سے مجھے ملا اور اس کی دو اور کاپیاں مختلف ادوار میں لکھی ہوئی قاہرہ، مصر کی لائبریری میں بھی موجود ہیں۔ تفسیر جلالین اور در منثور کی طرح یہ کتاب بھی اعلیٰ درجہ کی حامل شرح ہے لیکن مخطوط ہونے کی وجہ سے اکثر صاحبانِ علم سے پوشیدہ ہے جس کو منصہ شہود پر لانا مقصود ہے۔

ضرورت و اہمیتِ موضوع (Need and importance of Project):

علم القراءات اللہ تعالیٰ کی طرف سے رسول اللہ ﷺ تک پہنچا اور آپ سے سند متواتر کے ساتھ یہ علم ہم تک آیا۔ اس فن میں جس نے سب سے پہلے کتاب لکھی وہ ہیں علامہ ابو عمرو الدانی (متوفی ۴۴۴ھ)۔ اس کتاب کا نام ہے ''التیسیر فی القراءات السبع''، اس میں انہوں نے قراء سبعہ کے راویوں اور ان کے شاگردوں سے منقول اصول ذکر کیے ہیں۔

امام جزری فرماتے ہیں:

''التیسیر قراءات کی صحیح ترین کتابوں میں سے اول درجہ کی کتاب ہے، لیکن اس کی شہرت کا سہرا علامہ شاطبی کے منظوم قصیدہ ''شاطبیہ'' کے سر ہے۔''

موضوع اختیار کرنے کی وجوہات(Causes of Selection):

علامہ جلال الدین سیوطی کا علمی مقام کسی سے ڈھکا چھپا نہیں ہے اوران کی کتب بھی چہار دانگ عالم میں شہرت کی بلندیوں پر ہیں۔ علامہ موصوف کی شرح شاطبیہ کا مقام بھی واضح ہے لیکن تاحال یہ مخطوط ہونے کی وجہ سے علماء وطلباء کی نظروں سے اوجھل ہے۔ جب کہ علامہ موصلی اور ملا علی قاری کی شروح چھپ کر منظر عام پر آچکی ہیں اور متلاشیانِ علم القراءات کی آبیاری کر رہی ہیں۔ ہم اس مقالہ میں تقابلی جائزہ لے کر واضح کریں گے کہ سیوطی کی شرح شاطبیہ کسی بھی طرح دیگر شروح سے کم نفع بخش نہیں ہے۔

آج تک چوں کہ کسی بھی محقق نے اس طرف توجہ نہیں کی تو میں نے قراءات کا ایک ادنیٰ طالب علم ہونے کے ناطے سے سوچا کہ اس عظیم شارح کی کتاب کو منظر عام پر لایا جائے تاکہ علم القراءات کے طلبہ اس عظیم علمی خزانہ سے فیض یاب ہوسکیں اور یوں ہم اس چھپے ہوئے گنجینۂ گراں مایہ کو منصۂ شہود پر لاسکیں۔

سابقہ کام کا جائزہ(Review of Literature):

اس موضوع پر ڈاکٹریٹ کی سطح کا کام بہت تھوڑا ہوا ہے جو کہ درج ذیل ہے:

۱۔ انتشار القراءات فی شبہ القارۃ الہندیۃ (مقالہ ڈاکٹریٹ) اردو، از ڈاکٹر قاری محمد طاہر، فیصل آباد

۲۔ القراءات وآثارھا فی تفسیر القرآن (مقالہ ڈاکٹریٹ)، از ڈاکٹر فصیح اللہ عبدالباسط، جامعہ اسلامیہ بہاول پور

۳۔ علم القراءات نشأ وتطور (مقالہ ڈاکٹریٹ)، از ڈاکٹر الحافظ خالد ولاشین احمد، جامعہ اسلامیہ مدینہ منورہ

۴۔ علم القراءات نشأته وتطوره فی شبہ القارۃ الہندیۃ (مقالہ ایم فل) از حافظ فیاض الحسن جمیل، جامعہ اسلامیہ بہاول پور

۵۔ ماہنامہ ''التجوید'' النشر والتوزیع، ڈاکٹر قاری محمد طاہر، فیصل آباد

منہج تحقیق (Methodology):

تحقیقی کام کرنے کے مختلف طریقے ہیں مثلاً: احصائی، تقابلی، تحلیلی، تطبیقی اور وصفی طریقہ تحقیق۔ اور ان میں سے کام کی نوعیت کے مطابق طریقہ تحقیق اختیار کرنا محقق پر لازم ہوتا ہے۔ میں موضوع کی مناسبت سے تقابلی (Coparative) اور تحلیلی (Analytical) طریقہ تحقیق اختیار کروں گا۔

تقسیم کار (Procedure):

میں نے مقالہ کو چار ابواب میں تقسیم کیا ہے:

پہلا باب: علامہ جلال الدین سیوطی کے حالات زندگی،

اس باب کی تین فصلیں ہیں

دوسرا باب: شاطبیہ اور اس کی شروحات

اس باب کی دو فصلیں ہیں

تیسرا باب: علامہ سیوطی کی شرح شاطبیہ (تحلیل وتقابل)

اس باب کی بھی دو فصلیں ہیں

چوتھا باب: مخطوط کی تحقیق

یہ باب بھی دو فصلوں پر مشتمل ہے۔

موضوع کے حوالے سے مجوزہ و بنیادی کتب (References):

★ الابانة عن معانی القراء ات ،ابو محمد مکی بن ابی طالب القیسی، دار المامون للتراث ۱۳۹۹ھ
★ اتحاف فضلاء البشر فی القراء ات العشر،شھاب الدین احمد بن محمد البناء،دار الکتب العلمیۃ بیروت،۱۹۹۸ھ
★ الاتقان فی علوم القرآن،جلال الدین السیوطی (الامام)،دار التراث بالقاھرۃ ۱۴۰۵ء
★ افادات من القرآن والقراء ات ، درویش فرج العطار ، دار الفکر بیروت ۱۴۱۶ھ
★ الائتلاف فی وجوہ الاختلاف،یوسف آفندی،مطبعۃ سندہ طبع،۱۲۹۰ھ
★ البدور الزاھرۃ فی القراء ات العشر ، عبد الفتاح القاضی ، دار الکتاب العربی،۱۴۰۱ھ
★ تاریخ المصحف الشریف،عبدالفتاح القاضی،مؤسسۃ الرسالۃ،۱۴۱۲ھ
★ التیسیر فی القراءات السبع،ابو عمرو الدانی،دار الکتب العربی،۱۴۰۴ھ

◆◆◆

خطة البحث لتحقيق المخطوط:

شرح الشاطبية للسيوطى

(دراسة وتحقيق)

لنيل درجة الدكتوراة فى اللغة العربية وآدابها

(۲۰۰۹م-۲۰۱۲م)

الباحث:

حافظ فياض الحسن جميل

رقم الجلوس

رقم التسجيل:

المشرف:

الدكتور افتخار احمد خان

الاستاذ المساعد قسم اللغة العربية وآدابها

قسم الدراسات الاسلامية والعربية

بجامعة الكلية الحكومية، بفيصل آباد

المؤرخ ۱۲/۱۰/۱۲/۲۰۱۲م

التعريف بالموضوع وأهميته:

علم القراءات هو يتعلق بالقراءات القرآنية اعنى كيف نقرء القرآن على منهج رسول الله صلى الله عليه وآله وسلم

وقال الزرقاني: هو مذهب يذهب اليه امام من أئمة القراء مخالفاً به غيره فى النطق بالقرآن الكريم مع اتفاق الروايات والطرق عنه، سواء كانت هذه المخالفة فى نطق الحروف ام فى نطق هيئاتها۔ (مناهل العرفان للزرقانى، ۱/۴۱۰)

قال الله تعالىٰ "ورتلناه ترتيلا"

وامر للنبى صلى الله عليه وآله وسلم "ورتل القرآن ترتيلا" (المزمل:۴)

وايضاً قال الامام الجزرى فى قصيدته المشهورة "المقدمة الجزرية"

لانه به الالٰه انزلا
و هكذا منه الينا وصلا

لاجل هذا يلزم علينا ان نعرف طرق القراءات القرآنية، و هو علم القراءات ويكون موضوع هذه الرسالة العلمية۔۔۔۔۔۔

حظيت كتاب حرز الأماني ووجه التهاني بأهمية كبيرة نظراً لمادته العلمية الكثيرة الغزيرة ومن أجل ذلک أقدم أجلاء من أئمة الاسلام على شرح هذا الكتاب حتى يتجلى ويتضح ما أراده مؤلف "حرز الأماني ووجه التهانى" الذى أقدم بسبب ما على تصنيف كتابه هذا فى شيئى من الايجاز

لذلک تعددت الشروح وتنوعت الا أنها كلها لم تخرج عن الهدف المقصود لمؤلفه الأصلى (الشاطبى)۔

ويعد شرح الامام السيوطى (الذى قام به الامام جلال الدين

السیوطی) من أفضل الشروح لهذا الکتاب ان لم یکن أفضلها علی الاطلاق نظراً لأن هذا الامام تناول هذا الکتاب فی شرح وجیز خلا من الغموض مع بیان الهدف المقصود و بلغة عربیة سهلة فصیحة کما علیه تفسیر شهیر بتفسیر الجلالین۔ وعلی رغم کل هذا فان هذه الحقیقة خفیة و غیر واضحة لکثیر من الدارسین

أما شرح الموصلی للشاطبیة فیغنینا عن التعریف به ما قاله شیخ المقرئین بالأزهرا ''الشیخ عبد الفتاح القاضی'' معربا عن رأیه فی هذا الشرح ورأی فی هذا الکتاب أنه مع اختصاره و وجازته قد تکفل بحل رموز هذا الکتاب الجلیل ''الشاطبیة'' و کشف معضلاته، و بیان معانیه و مرامیه، فوق مایمتاز به من سهولة العبارة، جزالة الأسلوب، و جمال التنسیق و الترتیب۔

اما شرح الشاطبیة للامام ملا علی القارئ لا یستغنی عنه استاذ و لا طالب فی هذا العلم قد تکفل هذا الشرح رموز هذا الکتاب الجلیل ''حرز الامانی و وجه التهانی'' و کشف و بیان معانیه و معضلاته من سهولة العبارة۔ و تجد فیه بیان شاف و کاف علی لکل معضلات الشاطبیة با لتفصیل هذا شرح بسیط کی نجد کتبه فی شتی مجالات الدین و خاصةً الدراسات القرآنیة فهو فی نظری أکثر الشروح غناء، و أعمها فائدة لا یستغنی عنه طالب، و لا أستاذ، و لا قارئ۔ و اسم هذا الکتاب ''شرح ملا علی قارئ علی متن الشاطبیة''

و بالنظر الی کل هذا أنّه لم یتناول الدارسون هذین الشرحین بالبحث و المقارنة مع شرح الشاطبیة للسیوطی۔ لذا کان من الضروری و المهم الاقدام علی هذا العمل العلمی الجدیر بدراسة و اخراج رسالة حول هذه الشروح و لکی یکون عوناً فی علم القراءات و لیسهل الاطلاع علیهما بعد دراستهما۔

مكانة الشاطبية فى علم القراءات:

أن علم القراءات وصل الينا من رسول الله ﷺ بسند متواتر، وأول من دون كتاباً في هذا الفن هو الامام "أبو عمرو الداني" (المتوفى ۴۴۴ھ) سماه "التيسير فى القراءات السبع" و ذكر فى هذا المختصر مذاهب القراء السبعة والروايات والطرق المروية عنهم۔ و ذكر من كل واحد من القراء روايتين۔

وقال الامام ابن الجزرى (المتوفى ۸۳۳ھ)

"لما كان التيسير من أصح كتب القراءات و كان من أعظم أسباب شهرته دون باقي المختصرات نظم الشاطبي في قصيدته (المعروف با لشاطبية)

سبب اختيار الموضوع:

موضوع دراستنا هو شرح الشاطبية للسيوطى (دراسة و تحقيق) وهو مو ضوع لم يلتفت اليه أحد من الباحثين على حد علمى ۔و ذلک على الرغم من أهمية هذا الشرح بين شروح الشاطبية لدى علماء القراءات وعلوم القرآن، فان شرح الموصلى والقارئ مطبوعان ومتداولان فى الأوساط العلمية ۔أما شرح السيوطى فلم يزل مخطوطا حتى اليوم۔ وهذا الشرح لا يقل نفعاً من شرح المو صلى والقارئ، الا أنه لم يحظ با هتمام باحث حتى اليوم ۔ ولهذا اخترت هذه الشروح للدراسة لرسالة الدكتوراة للمقارنة بين هذه الشروح، و من هنا أستطيع أن أخرج شرح السيوطى الى النور۔

و لا يخفى على المتخصصين فى علم القراءات ما لكتاب الشاطبية من أهمية عظيمة فى العلم المذكور۔ و من أجل ذلک أقدم لعلماء الأجلاء و

منهم الامام جلال الدين السيو طی و ايضاً الامام محمد بن أحمد الموصلی والامام ملا علی القارئ علی شرح هذا الكتاب ، حتی تجاوزت شروحها العشرات باللغات الاسلامية المتعددة۔ و ما كان الامام السيوطی و الامام المو صلی والامام ملا علی القارئ لهم خدمات فی علم القراء ات معلومة لمتخصصين ، لذا كان لهذه الشروح أهمية كبيرة ثم أن عدم اقدام أی باحث لاعداد رسالة متخصصة فی هذا الموضوع، كان حافذا لی علی الاقدام لاختيار هذا الموضوع۔

منهج البحث:

ان مناهج البحوث كثيرة و منها المنهج المقارن ، المنهج التطبيقی ،المنهج الوصفی ، المنهج الاحصائی ، المنهج التحليلی۔ وعلی الباحث ان يختار المنهج لبحثه وفق طبيعة البحث انی سأختار المنهج المقارن و التحليلی وفق طبيعة البحث۔

تقسيم الابواب:

الباب الاول: العلامة السيوطی حياته و آثاره

الفصل الاول: عصر العلامة السيوطی

الفصل الثانی: حياة السيوطی

الفصل الثالث: آثاره العلمية و الأدبية

الباب الثانی: الشاطبية و شروحها

الفصل الاول: التعريف بالكتاب و المؤلف

الفصل الثانی: شروح الشاطبية

الباب الثالث: دراسة شرح السيوطى للشاطبية

الفصل الاول: دراسة فنية للشاطبية

الفصل الثانى: المقارنة والموازنة بين شرح السيوطى وبين أهم شروح الشاطبية

(الف) المقارنة بين شرح السيوطى وبين شرح القارئ

(ب) المقارنة بين شرح السيوطى وبين شرح الموصلى

الباب الرابع: تحقيق المخطوط

الفصل الاول: تحقيق نص المخطوط (النصف الاول)

الفصل الثانى: تحقيق نص المخطوط (النصف الثانى)

نص المخطوط يحتوى على المباحث الآتية: المقدمة والأصول والفروش

الفهارس:

(الف) فهرس الآيات

(ب) فهرس الأحاديث

(ج) فهرس الأماكن

(د) فهرس الأعلام

(ه) فهرس الابيات

(و) فهرس المصادر والمراجع

الكتابات السابقة فى الموضوع (Review of Literature):

لا نجد الخدمات الجليلة فى هذا المجال من العلماء والمحققين والباحثين الا قليلاً وهى:

۱۔ انتشار القراءات فى شبه القارة الهندية (رسالة دكتوراة) بالأردية للدكتور

المقری محمد طاہر، الاستاذ المتقاعد بالکلیۃ الحکومیۃ بفیصل آباد
۲۔ القراءات و آثارھا فی تفسیر القرآن (رسالۃ دکتوراۃ) للدکتور فصیح اللہ عبدالباسط فی کلیۃ الدراسات الاسلامیۃ بجامعۃ اسلامیۃ بھاولفور
۳۔ علم القراءات نشأ و تطور (رسالۃ دکتوراۃ)
للدکتور الحافظ خالد و لاشین احمد بجامعۃ اسلامیۃ بالمدینۃ المنورۃ
۴۔ علم القراءات نشأتہ و تطورہ فی شبہ القارۃ الھندیۃ (رسالۃ ایم فل)
للحافظ فیاض الحسن جمیل فی الجامعۃ الاسلامیۃ بھاولفور
۵۔ مجلۃ شھریۃ "التجوید" النشر و التوزیع للدکتور المقری طاہر، بفیصل آباد

المصادر الأصیلۃ فی الموضوع (Real Sources):

- ★ الابانۃ عن معانی القراءات، ابو محمد مکی بن ابی طالب القیسی، دار المامون للتراث، ۱۳۹۹ھ
- ★ اتحاف فضلاء البشر فی القراءات العشر، شھاب الدین احمد بن محمد البناء، دار الکتب العلمیۃ بیروت، ۱۹۹۸ھ
- ★ الاتقان فی علوم القرآن، جلال الدین السیوطی (الامام)، دار التراث بالقاھرۃ، ۱۴۰۵ھ
- ★ افادات من القرآن و القراءات، درویش فرج العطار، دار الفکر بیروت ۱۴۱۶ھ
- ★ الائتلاف فی وجوہ الاختلاف، یوسف آفندی، مطبعۃ سندہ طبع، ۱۲۹۰ھ
- ★ البدور الزاھرۃ فی القراءات العشر، عبد الفتاح القاضی، دار الکتاب

العربی، ۱۴۰۱ھ

★تاریخ المصحف الشریف، عبدالفتاح القاضی، مؤسسة الرسالة، ۱۴۱۲ھ

★التیسیر فی القراءات السبع، ابوعمرو الدانی، دار الکتب العربی، ۱۴۰۴ھ

★الحجة فی القراءات السبع، ابن خالویه، دار الشروق، ۱۳۹۹ھ

★زبدة العرفان فی وجوه القرآن، البالوی، مطبع سندہ طبع، ۱۲۹۰ھ

★ سراج القارئ المبتدئ، علی بن عثمان (ابو القاسم)، المطبعة الازهریة قاهرة، ۱۳۱۷ھ

★شرح الشاطبیة، ملاعلی القاریؒ، المکتبة العلمیة حیدرآباد الهند ۱۳۰۰ھ

★کتاب شرح الشاطبیة للسیوطی (المخطوط)

★ کنز المعانی شرح حرز الامانی ، الامام الموصلی ، المکتبة العصریة ، ۱۳۴۲ھ

★النشر فی القراءات العشر، ابن الجزری، دار الکتب العلمیة، ۱۳۵۵ھ

★ النفحات الألهیة فی شرح متن الشاطبیة محمد عبد الدایم خمیس ،دار المنار، ۱۹۹۶م

★ نهایة القول المفید فی علم التجوید، محمد مکی نصر ، المکتبة العلمیة لاهور، ۱۳۹۱ھ

تفاصیل الخطة:

المقدمة:

التعریف بالموضوع وأهمیته۔ سبب اختیار الموضوع۔ المنهجیة، الکتابات السابقة، المصادر الاصیلة

الباب الاول: عصر العلامة السیوطی و حیاته

الفصل الاول: عصر العلامة السیوطی

۱۔ الاحوال السیاسیة

۲۔ الاحوال الاجتماعیة

۳۔ الاحوال الثقافیة

الفصل الثانی: حیاة السیوطی الخاصة

۱۔ اسمه

۲۔ نسبه

۳۔ مولده

۴۔ منشؤه

۵۔ وفاته

الفصل الثالث: آثار العلامة السیوطی

۱۔ تفسیر جلالین

۲۔ تفسیر الدر المنثور

۳۔ الاتقان فی علوم القرآن

۴۔ شرح الشاطبیة

۵۔ اسعاف المبطاء فی رجال المؤطا

۶۔ الجامع الصغیر فی أحادیث البشیر و النذیر

۷۔ حسن المحاضرة فی أخبار مصر و القاهرة

۸۔ الخصائص الکبری فی فضائل النبی ﷺ

۹۔ مسالک الحنان فی والدی سید الاکوان ﷺ و غیرها

الباب الثانی: الشاطبیة وشروحها

الفصل الاول: التعریف بالکتاب والمؤلف

الفصل الثانی: شروح الشاطبیة

الفصل الاول: (۱) شرح الشاطبیة لملاعلی القارئ والتعریف به

(الف): التعریف بالمؤلف (ملاعلی القارئ)

۱۔ اسمه

۲۔ نسبه

۳۔ مولده

۴۔ منشؤه

۵۔ أخذه العلم

۶۔ آثاره

۷۔ وفاته ودفنه

(ب): التعریف بشرح الشاطبیة للقارئ

۱۔ التعریف بالکتاب

۲۔ موضوع الکتاب

۳۔ اهمیة الکتاب

۴۔ الالفاظ

۵۔ التراکیب

۶۔ المعانی

۷۔ منهجه

۸۔ أسلوبه

(۲): کنز المعانی شرح حرز الأمانی للامام الموصلی و التعریف به

(الف): التعریف بالمؤلف (ابو عبداللہ محمد الموصلی)

۱۔اسمه

۲۔نسبه

۳۔مولده

۴۔منشأه

۵۔أخذه العلم

۶۔آثاره

۷۔وفاته و دفنه

(ب): التعریف بکنز المعانی شرح حرز الامانی (المعروف بشرح الشعلة)

۱۔التعریف بالکتاب

۲۔موضوع الکتاب

۳۔اهمیة الکتاب

۴۔الالفاظ

۵۔التراکیب

۶۔المعانی

۷۔منهجه

۸۔أسلوبه

(۳): شرح الشاطبیة للامام أبی شامة

(الف): التعریف بالمؤلف (الامام ابو شامة)

۱۔اسمه

۲۔نسبه

۳۔مولده

۴۔منشؤه

۵۔أخذه العلم

۶۔آثاره

۷۔وفاته ودفنه

(ب): التعزیف بشرح الشاطبیة، (لأبی شامة)

۱۔التعریف بالکتاب

۲۔موضوع الکتاب

۳۔اهمیة الکتاب

۴۔الالفاظ

۵۔التراکیب

۶۔المعانی

۷۔منهجه

۸۔أسلوبه

(۴): شرح الشاطبیة (للامام شهاب الدین البناء)

(الف): التعریف بالمؤلف

۱۔اسمه

۲۔نسبه

۳۔مولده

۴۔منشؤه

۵۔أخذه العلم

۶۔آثاره

۷۔وفاته

(ب): التعريف بشرح الشاطبية

۱۔التعريف بالكتاب

۲۔موضوع الكتاب

۳۔اهمية الكتاب

۴۔الالفاظ

۵۔التراكيب

۶۔المعانی

۷۔منهجه

۸۔أسلوبه

(۵): تقريب المعانی شرح الشاطبية (لسيد لاشين أبو الفرح)

(الف): التعريف بالمؤلف

۱۔اسمه

۲۔نسبه

۳۔مولده

۴۔منشؤه

۵۔أخذه العلم

۶۔آثاره

(ب): التعريف بتقريب المعانی

۱۔التعریف بالکتاب

۲۔موضوع الکتاب

۳۔اهمیة الکتاب

۴۔الالفاظ

۵۔التراکیب

۶۔المعانی

۷۔منهجه

۸۔أسلوبه

الباب الثالث: دراسة شرح الشاطبیة للسیوطی

الفصل الاول: دراسة فنیة للشاطبیة

۱۔التعریف بالکتاب

۲۔موضوع الکتاب

۳۔اهمیة الکتاب

۴۔الألفاظ

۵۔التراکیب

۶۔المعانی

۷۔منهجه

۸۔أسلوبه

الفصل الثانی: المقارنة والموازنة بین شرح السیوطی وبین أهم شروح الشاطبیة

(الف): المقارنة بین شرح السیوطی وبین شرح القاری

(ب): المقارنة بين شرح السيوطی وبين شرح الموصلی

الباب الرابع: تحقيق المخطوط

الفصل الاول: تحقيق نص المخطوط (النصف الأول)

الفصل الثانی: تحقيق نص المخطوط (النصف الثانی)

نص المخطوط يحتوی علی العناوين الأتية:

- المقدمة: تشتمل علی الوصايا والنصائح
- الأصول: هذا الموضوع يشتمل علی العناوين التالية:

(۱) باب البسملة
(۲) باب سورة أم القرآن
(۳) باب الإدغام الكبير
(۴) باب المدّ والقصر
(۵) باب هاء الكناية
(۶) باب نقل حركة الهمز إلی الساكن قبلها
(۷) باب الإظهار والإدغام
(۸) باب لام، هل وبل وغيرها

الفروش: تشتمل الفروش علی تعليقات علی الأصول والاختلافات

فيها

الخاتمة: تذكر فيها النتائج المبتكرة التی يصل إليها البحث

الفهارس الفنّية: تعد الفهارس الفنية كلها فی ختام النص المحقق وهی:

(الف) فهرس الآيات
(ب) فهرس الأحاديث
(ج) فهرس الأماكن

(د) فهرس الأعلام

(ه) فهرس الأبيات

(و) فهرس الأقوال

(ز) فهرس مسائل القراءة

(ح) فهرس المصادر والمراجع

(ط) فهرس الموضوعات

المصادر والمراجع المقرّرة

۱۔ اتحاف فضلاء البشر فی القراءات العشر، شهاب الدين احمد بن محمد البناء، دار الكتب العلمية بيروت، ۱۹۹۸ھ

۲۔ الاتقان فی علوم القرآن، جلال الدين السيوطی (الامام)، دارا لتراث القاهرة، ۱۴۰۵ھ

۳۔ احکام قراءات القرآن الکريم، محمود خليل الحصری، المطابع الاميرية، ۱۳۹۰ھ

۴۔ ارشادات جليلة فی القراءات السبعة، محمد محمد سالم، دار الهدی مدينة منورة، ۱۴۱۵ھ

۵۔ الاضاءة فی بيان اصول القراءة، علی محمد الضباع، المطابع الاميرية، ۱۴۰۰ھ

۶۔ الاقناع فی القراءات السبع، ابن الباذش، جامعة ام القری، ۱۴۰۳

۷۔ ألباب المنقول فی اسباب النزول، جلال الدين السيوطی، دار احياء العلوم، ۱۹۷۸ھ

۸۔ البرهان فی تجويد القرآن، محمد الصادق قمحاوی، دار التراث العلمی، ۱۴۰۵

۹۔تاریخ القراء العشر ورواتهم، عبد الفتاح القاضی، الجامعة الازہر (مصر) ۱۴۱۰ھ

۱۰۔التبصرة فی القراءات السبع، القیسی، دار السلفیة، ۱۴۰۲

۱۱۔تقریب المعانی شرح الشاطبیه ،سید لا شین ابو الفرح و خالد محمد الحافظ، مکتبة دار الزمان السعودیة العربیة، ۱۴۱۳ھ

۱۲۔تکثیر النفع فی القراء ات السبع ، رحیم بخش ، ادارة نشرو اشاعت اسلامیات ملتان، ۱۳۷۹ھ

۱۳۔ التمهید فی علم التجوید ، ابن الجزری ، مکتبة المعارف بیروت، ۱۳۹۹ھ

۱۴۔تأملات حول تحریرات العلماء، موسی، جامعة الازہر مصر، ۱۴۱۳ھ

۱۵۔ التیسیر فی القراء ات السبع، ابو عمرو الدانی ، دار الکتب العربی ، ۱۴۰۴ھ

۱۶۔حرز الأمانی ووجه التهانی، للشاطبی، مطبع مصطفی حلبی البابی، قاهرة مصر، ۱۴۱۰ھ

۱۷۔ذیل کشف الظنون، حاجی خلیفة، دار الفکر، بیروت ۱۴۰۲ھ

۱۸۔رسم المصحف والنقطة، عبد الحی الفرماوی ، مکتبة دار الهدی ، ۱۴۰۵ھ

۱۹۔سراج القاریٔ المبتدی ، علی بن عثمان (ابو القاسم) المطبعة الازهریة قاهرة، ۱۳۱۷ھ

۲۰۔شرح سمنودی علی متن الدرة ، ابن الجزری، المطابع الازهریة قاهرة، ۱۴۰۴

۲۱۔شرح طیبة النشر، ابن الجزری، مکتبة دار الهدی، ۱۴۰۹ھ

۲۲۔طیبۃالنشر فی القراءات العشر، ابن الجزری، مکتبۃالھدی، ۱۴۰۴ھ

۲۳۔الغا یۃ فی القرا ء ات العشر، ابن المھران ، شرکۃ العبیکان للطباعۃ ، ۱۴۰۰ھ

۲۴۔غیث النفع فی طبقات القراء السبع ، للنووی ، المطبعۃ الازھریۃ ، ۱۳۱۷ھ

۲۵۔القراءات الشاذۃ و توجیھات من اللغۃ العربیۃ، عبد الفتاح القاضی، دار احیاء الکتب العربیۃ، ۱۴۰۱ھ

۲۶۔القرا ء ات العشر المتواتر ، راجح ، دار المھاجر للنشرو التو زیع ، ۱۴۱۴ھ

۲۷۔کتاب التیسیر فی القراءات السبع، ابو عمرو الدانی، دار الفکر بیروت ، ۱۴۰۹ھ

۲۸۔کفایۃ المرید من احکام التجوید ، ابن الخیاطۃ ، مکتبۃ علی احمد الملیجی، ۱۳۷۷ھ

۲۹۔المبسوط فی القراء ات العشر ، ابو بکر احمد بن الحسین، دار الکتب المصریۃ، ۱۴۰۱

۳۰۔المقنع فی رسم ، ابو عمرو الدانی (امام) مکتبۃ جامعۃ الازھر قاھرہ ، ۱۴۱۰ھ

۳۱۔منجد المقرئین و مرشد الطالبین، ابن الجزری، دار النھضۃ، ۱۳۵۴ھ

۳۲۔المیسر فی القراءات الاربعۃ العشرۃ، خاروف، دار ابن کثیر، ۱۴۱۶ھ

۳۳۔النشر فی القراءات العشر، ابن الجزری، دار الکتب العلمیۃ، ۱۳۵۵ھ

۳۴۔ھدایۃ القاری الی تجوید کلام الباری، لمرصفی، مکتبۃ طیبۃ، ۱۴۰۰ھ

◆◆◆

ضبط متن اور تعلیق نگاری کے اصول وضوابط

ضبط مخطوط و تعلیق نگاری:

ضبطِ متن و تعلیقِ متن مخطوط کی تحقیق کا سب سے اہم اور مشکل ترین مرحلہ ہے۔ تعلیقِ متن کے حوالہ سے علماء کے مابین اختلاف بھی موجود ہے یہی وجہ ہے کہ وہ تین مختلف نظریات پیش کرتے ہیں۔

۱۔ پہلا گروہ تعلیق نگاری کا مخالف ہے ان کا خیال ہے کہ اگر مخطوط پر تعلیقات لگائی جائیں تو قاری کی توجہ اصل متن سے ہٹ کر تعلیقات کی طرف بٹ جائے گی اس طرح یہ تعلیقات بوجھل پن یا ثقل کا سبب بنتی ہیں اس لئے تعلیقات کی تحقیقِ متن میں کوئی ضرورت وحاجت نہیں۔

۲۔ دوسرا گروہ تعلیق نگاری کا حامی ہے وہ یہ نظریہ پیش کرتے ہیں کہ تعلیقات تفہیم متن میں اہم کردار ادا کرتی ہیں اس لیے ضروری ہیں۔

۳۔ تیسرا گروہ جدید علمائے تحقیق کا ہے جنہوں نے کچھ شرائط سے تعلیق نگاری کو جائز قرار دیا تا کہ تقویمِ نص اور تفہیم نص ہو سکے۔

اس سے پہلے کہ ہم ضبطِ متن اور تعلیقِ متن کی شروط کے متعلق بات کریں مناسب یہی ہے کہ ضبط متن اور تعلیق متن کا مفہوم اور ان میں فرق کو اچھی طرح سمجھ لیں۔

ضبط النص / ضبط متن:

ضبط کا معنی ہے حفاظت کرنا اور حرکات لگانا، جبکہ نص یا متن کلام اور تحریر کو کہتے ہیں۔ انگریزی میں نص یا متن کے لیے Text کا لفظ مستعمل ہے۔ اصطلاح میں ضبطِ نص یا ضبطِ کلام سے مراد کسی عبارت، تحریر یا کلام پر حرکات لگا کر اس کو قاری کے لیے ایسی صورت میں پیش کرنا کہ وہ اصل مؤلف کی مراد کے مطابق یا قریب ترین ہو۔

عربی میں اس مفہوم کو اس انداز سے ذکر کیا جاتا ہے:

"معنی ضَبطُ النَّصِ هُوَ ثَبتُهُ وَتَقدِیمُهُ لِلقَارِیْ بِصُورَۃٍ تَکُونُ اَقرَبَ اِلٰی نَصِ المُؤَلِفِ الأَصِیلِ"

جبکہ تعلیق بھی عربی زبان کا لفظ ہے جو باب تفعیل سے مصدر ہے اس کے بنیادی حروف "ع ل ق" ہیں علق کے کئی ایک مفاہیم ہیں جن میں کوئی کام کرنا، لٹکانا، عمدہ ونفیس چیز اور کتاب کا حاشیہ قابل ذکر ہیں اصطلاحی طور پر تعلیق سے مراد وہ ہوامش وحواشی ہیں جنہیں محقق دورانِ تحقیق عبارت ومتن کی وضاحت کے لیے لگاتا ہے۔

اسی لیے کہا جاتا ہے:

"اَلمُرَادُبِه تِلکَ الهَوَامِشُ وَالحَوَاشِی الَّتِیْ یَذکُرُهَا وَیُعَلِقُهَا المُحَقِقُ لِتَوضِیحِ النَّصِ خِلَالَ التحقِیقِ"

مختصراً یہ کہہ سکتے ہیں کہ تعلیق نگاری وضاحتی نوٹس لکھنے کے عمل کو کہتے ہیں۔ جبکہ اُن نوٹس کو حواشی یا ہوامش کہتے ہیں۔

عصر حدیث میں علمائے تحقیق نے کسی بھی مخطوط کی طباعت اور نشر واشاعت کے لیے کچھ اصول طے کیے ہیں۔ ان کی رائے کے مطابق اگر مخطوطات اسی طرح زیور طبع سے آراستہ کردیے جائیں جس شکل وصورت میں پائے گئے تو یہ کوئی فائدہ کی بات نہیں، بلکہ اس انداز کی طباعت سے صرف مخطوطات کی موجودہ تعداد میں اضافہ ہی ہوگا، لہٰذا انہوں نے طے کیا کہ جو شخص کسی بھی مخطوط کی طباعت چاہتا ہے اس کے لیے ضروری ہے کہ کچھ امور اور اصول وضوابط کو ملحوظ خاطر رکھے۔

ضبطِ متن کے اصول وضوابط:

۱۔ سب سے پہلی اور اہم ترین شرط اور اصول یہ ہے کہ محقق مخطوط کی عبارت لفظاً لفظاً اپنے اوراق پر اتارلے (اسی عمل کو تبییض النص کہتے ہیں)

۲۔ عبارت اتارتے ہوئے بہتر یہ ہے کہ مخطوط کے ایک صفحہ کی عبارت اپنے ایک

صفحہ پر اتار لی جائے، اگر مخطوط کے صفحہ کی عبارت طویل ہو، اس کا ایک صفحہ پر اتارنا ممکن نہ ہو تو عبارت اگلے صفحہ پر اتار لی جائے لیکن جس جگہ مخطوط کی عبارت مکمل ہو وہاں دائیں طرف حاشیہ میں وضاحت کر دی جائے کہ اس جگہ مخطوط کے فلاں صفحہ کی عبارت مکمل ہو گئی ہے۔

۳۔ اگر مخطوط کا رسم الخط واضح نہ ہو یا کسی جگہ سے عبارت میں سقط واقع ہوا ہو، یا کسی جگہ بیاض ہو، یا عبارت میں کوئی ایسی چیز (الفاظ و کلمات) شامل ہو گئی ہو جس سے کلام یا عبارت مبہم ہو گئی ہو، ایسی صورت میں محقق پر لازم ہے کہ وہ غیر واضح کو واضح کر کے تحریر کرے۔

۴۔ اگر مخطوط قدیم زمانہ کا، ہو تو محقق پر لازم ہے کہ اسے جدید اسالیب کے مطابق تحریر کرے اور متروک شدہ مناہجِ املاء ترک کر دے، تا کہ قراء کو پڑھنے میں آسانی ہو۔

۵۔ عبارت کے اندر آنے والی آیات مبارکہ، احادیث نبویہ، ابیات اور امثال پر حرکات لگا دی جائیں تا کہ قراءت میں آسانی ہو۔

تعلیق نگاری کے اصول وضوابط:

تعلیق نگاری کے بارے میں مختلف نظریات کا ذکر ہم پہلے ہی کر چکے ہیں اور جہاں تک اصول وضوابط کا تعلق ہے تو جدید علما تحقیق نے محقق کے لیے تعلیق نگاری کے عمل کو تقویم متن اور تفہیم متن کی خاطر جائز قرار دیا، تو انہوں نے تعلیق نگاری کو کچھ امور کے ساتھ مشروط کر دیا۔ ذیل میں انہی شروط اور اصول وضوابط کو مختصراً بیان کرتے ہیں:

۱۔ سب سے پہلی اور اہم ترین شرط یہ ہے کہ محقق عملِ تحقیق کے دوران ہوامش وحواشی طویل نہیں لگائے گا کہ کہیں ثقل پیدا نہ ہو، اور قاری کی نظر اصل اور اہم ترین امر سے دوسری طرف مرکوز نہ ہو جائے۔

۲۔ اگر متن میں کسی آیت کی طرف اشارہ ہو تو محقق اسے مکمل نقل کرے گا اور اگر آیت کے کچھ الفاظ متن میں آئے ہوں، تو اس آیت کو مکمل لکھے گا، سورت کا نام اور آیت نمبر بھی تحریر کرے گا۔

۳۔ اسی طرح متن میں اگر حدیث، اثر یا قول وارد ہوا ہو تو محقق مصدر کا نام، جلد نمبر اور صفحہ نمبر ذکر کرے گا۔

۴۔ ابیات کی نسبت کے حوالہ سے محقق شاعر کا نام، دیوان کا صفحہ اور اس صفحہ پر شعر کا نمبر بھی درج کرے گا، اور اگر دیوان میسر نہ ہو تو اس مصدر کا نام ہی کافی ہے جس میں مطلوبہ شعر ذکر ہوا ہو۔

۵۔ اگر متن میں کوئی فقہی، لغوی یا علمی قضیہ ذکر ہو اور محقق محسوس کرے، کہ وہ قابل وضاحت ہے تو اس پر لازم ہے کہ اس قضیہ کی مختصر سی وضاحت ایک یا دو سطروں میں حاشیہ میں کر دے۔

۶۔ اگر مخطوط کے کئی ایک نسخے ہوں تو محقق کو ہر نسخہ کی ایک علامت یا رمز مقرر کر لینا چاہیے تاکہ دوران تحقیق مختلف نسخوں میں تقابل کرتے ہوئے آسانی رہے۔

۷۔ اور اگر یہ محسوس ہو کہ کسی نسخہ یا تمام نسخوں میں سقط[1] واقع ہوا ہو تو محقق اسی بات پر اکتفا کرے، کہ یہاں اسی طرح سقط واقع ہوا ہے۔

۸۔ اگر کسی نسخہ میں بیاض[2] ہو تو محقق وضاحت کرے کہ فلاں نسخہ میں بیاض ہے اور میں نے اسے فلاں نسخہ سے مکمل کیا۔

۹۔ اگر محقق پر یہ بات عیاں ہو کہ عبارت سے کوئی لفظ یا کچھ عبارت سیاق و سباق کے مطابق نہیں ہے اور یہ غلطی ہے تو محقق وہ لفظ یا عبارت درست کرے گا اور

۱۔ سقط: گرنے کو کہتے ہیں اس سے مراد مخطوط کے متن سے عبارت کا ضائع ہونا ہے۔

۲۔ بیاض: سفیدی کو کہتے ہیں اصطلاحی طور پر مخطوط کی عبارت لکھتے ہوئے کوئی لفظ چھوٹ گیا ہو۔ تو اس چھوڑی ہوئی یا چھوٹی ہوئی جگہ کو بیاضِ نص یا بیاضِ متن کہتے ہیں۔

ہامش میں ان الفاظ کے ساتھ اشارہ کرے گا کہ ''اصل میں یہ عبارت ایسے ہی تھی اور ظاہراً غلط ہے''یعنی غلط لفظ یا عبارت ہامش میں لکھ دے گا اور تصحیح شدہ عبارت متن میں تحریر کرے گا۔

۱۰۔ اگر کسی نسخہ یا تمام نسخوں میں خرم [1] ہو تو محقق خرم والی جگہ کی وضاحت کرے گا پھر ہامش میں بتائے گا کہ اس نے اس خرم والی جگہ کو کیسے مکمل و درست کیا۔

۱۱۔ محقق طوالت سے بچنے کی خاطر مشہور و معروف اعلام و شخصیات مثلاً ابوبکر صدیق، امام ابوحنیفہ اور امام شافعی وغیرہ سے تعارف نہیں کروائے گا کیونکہ ان کے تراجم (حالات زندگی) معروف ہیں۔

۱۲۔ رسم الخط کے اختلاف کو بار بار ذکر کرنے کی ضرورت نہیں، مقدمہ میں ایک ہی مرتبہ وضاحت کافی ہے۔

۱۳۔ اختلاف روایت پر بھرپور توجہ دی جانی چاہیے، تاکہ حقیقت تک رسائی ممکن ہو۔

درستیٔ متن و تصحیح متن کے لیے بنیادی امور:

جیسا کہ ہم پہلے بیان کر چکے ہیں کہ تحقیق و تدوین مخطوط ایک اہم اور مشکل ترین مرحلہ ہے، اسی مرحلہ میں ایک قضیہ درستیٔ متن و تصحیح متن بھی ہے۔ اسی پر مخطوط کی عمدگی اور تحقیقی کاوش کا انحصار ہوتا ہے۔ اس لیے ضروری ہے کہ محقق چند اصولوں اور امور کو ملحوظ خاطر رکھے، تاکہ تصحیحِ متن کا مرحلہ بطریق احسن انجام پا سکے۔

۱۔ تصحیحِ متن کے لیے جدید تحقیق کے اصولوں کی مکمل پابندی کی جائے۔

۲۔ مخطوط کے تمام نسخوں کا بار بار مطالعہ کرنا چاہیے تاکہ طرزِ املاء اور رسم الخط سے آگاہی ہو۔

۳۔ قدیم ترین نسخہ یا مؤلف کے اپنے ہاتھ کے نسخہ کو اساسی نسخہ بنا لیا جائے اور بقیہ نسخے تصدیقِ متن اور صحتِ متن کو مستند بنانے کے لیے استعمال کیے جائیں۔

۱۔ خرم: مخطوط کی عبارت میں وہ جگہ یا مکان جسے دیمک نے چاٹ لیا ہو خرم کہلاتا ہے۔

۴۔ تصحیحِ متن کے لیے یہ جاننا بھی بہت ضروری ہے کہ روایت یا متن کو نقل کرنے والا کوئی معتبر شخص ہے یا نہیں۔

۵۔ جب تک یہ معلوم نہ ہو جائے، کہ یہ تحریر ہر طرح کے سقم سے پاک ہے اس وقت تک یقین نہیں کرنا چاہیے۔

۶۔ تصحیحِ متن کے لیے مخطوط کے مصادر و مآخذ کا مطالعہ اور ان تک رسائی ضروری ہے تا کہ بوقت ضرورت ان کی طرف رجوع کیا جا سکے۔

۷۔ محقق کے لیے ضروری ہے کہ وہ اس عہد اور مختلف عہود کے مختلف نسخے پڑھے تا کہ مختلف و متنوع تحریروں پر عبور حاصل ہو اور یہ مطالعہ تصحیحِ متن میں معاون ثابت ہو۔

۸۔ متن کی مختلف جہتوں اور انواع کا استحصاء بھی ضروری ہے، تا کہ متن کی صحیح ہیئت کا تعین ہو سکے۔

۹۔ قلمی نسخوں کا باہمی تقابل، تصحیح متن میں بہت ہی مدد و معاون ثابت ہوتا ہے۔

۱۰۔ متن میں دخل اندازی نہ کی جائے تا کہ صحتِ متن برقرار رہے اور مستند ہو۔

۱۱۔ بعض اوقات کاتب فصیح اور عامی زبان میں فرق نہیں کرتا، ایسی صورت میں محقق پر ذمہ داری عائد ہوتی ہے کہ تصحیحِ متن کے دوران ایسی اغلاط سے آگاہ رہے اور ان کی تصحیح بھی کرے۔

۱۲۔ اگر مخطوط کے اوراق میں نقص و حذف ہو، تو محقق کوشش کرے کہ اس نقص و حذف کو دور کرے تا کہ تصحیحِ متن عمدگی سے ہو پائے اگر اس کو دور کرنا ممکن نہ ہو تو قوسین کے درمیان نقطے (......) ڈال کر نقص و حذف کی طرف اشارہ کر دیا جائے۔

۱۳۔ تصحیح متن کے لیے تصحیف [۱] و تحریف [۲] سے آگاہی بہت ضروری ہے کیونکہ اگر

۱۔ تصحیف سے مراد صاحب متن کے علاوہ کسی دوسرے شخص نے متن یا اجزائے متن میں دانستہ یا نادانستہ کوئی تبدیلی کی ہو۔ تصحیف عام طور پر نقطوں کے اعتبار سے مشابہ الفاظ میں واقع ہوتی ہے۔

۲۔ تحریف سے مراد یہ ہے کہ حروف کی شکل اور ان کے رسم الخط کو بدل دیا جائے۔ (یعنی حروف کی ہیئت اور شکل کو بدلا گیا ہو تو تحریف ہے)

مخطوط غیر منقوط ہو تو تصحیف کا احتمال بڑھ جاتا ہے۔

۱۴۔ درستی متن کے دوران الحاقی کلام کی نشاندہی بھی بہت ضروری ہے۔

۱۱۵۔ اگر مخطوط کے بعض کلمات یا جملوں میں تکرار ہو، اور یہ کہ تکرار تاکید کے لیے نہ ہو، تو محقق کو چاہیے کہ اس تکرار کو ختم کرے اور حاشیہ میں اس کی توضیح کردے۔

۱۶۔ تقدیم و تاخیر اور الفاظ کی تبدیلی جیسے امور میں تصحیحِ مخطوط کے دوران محقق کو محتاط اور بیدار رہنا چاہیے۔

۱۷۔ تصحیحِ متن کے دوران متن میں وارد ہونے والی اخطاء مثلاً ترمیم (۱)، تعبیر (۲)، تنسیخ (۳)، تصحیح (۴)، انتساب (۵) مختلف اقسام کی ہوتی ہیں ان پر بھی بھرپور توجہ دی جائے، تاکہ یہ مشکل اور اہم ترین مرحلہ بطریق احسن انجام پا سکے۔

مجوزہ کتب برائے استفادہ:

۱۔ اصول نقد النصوص و نشر الکتب، مجموعۃ محاضرات، المستشرق برجستراسر، ۱۹۶۹

۲۔ قواعد تحقیق المخطوطات، صلاح الدین المنجد ، طبعۃ رابعۃ، دار الکتاب الحدید، بیروت، ۱۹۷۰م

۳۔ تحقیق النصوص و نشرھا، عبدالسلام ھارون، طبعۃ ثانیۃ، القاھرۃ، مؤسسۃ الحلبی، ۱۹۶۵م

۱۔ اس سے مراد نامعلوم اسباب کے تحت ہونے والی تبدیلیاں ہیں جن میں سہو نظر اور لغزشِ قلم شامل ہیں۔

۲۔ مبہم لفظ کی وضاحت کے لیے کسی لفظ یا عبارت کو بڑھانا۔

۳۔ جان بوجھ کر متن یا اجزائے متن کو منسوخ کرنا۔

۴۔ صاحب متن کا خود اپنی خواہش کے مطابق تبدیلی کرنا۔

۵۔ غلط انتساب کا ارادۃً یا غیر ارادی طور پر یا مشابہت کی بنا پر ہونا۔

۴۔ اعداد البحث العلمی، دکتور غازی عنایة، الأسکندریة، مؤسسة شباب الجامعة، ۱۹۸۰م۔

۵۔ مناهج تحقیق التراث، عبدالتواب رمضان، القاهرة، ۱۹۸۶م۔

۶۔ منهج تحقیق المخطوطات، مؤسسة آل البیت لاحیاء التراث، قم۔ایران ۱۹۸۸م

۷۔ منهج تحقیق النصوص ونشرها، الدکتور حمودی نوری، والعانی بغداد، ۱۹۸۵م۔

۸۔ تحقیق المخطوطات بین النظریة والتطبیق، الدکتور فهمی سعد، والدکتور طلال مجذوب، عالم الکتب، طبعة أولی، بیروت، ۱۹۹۳م۔

۹۔ المنهاج فی تالیف البحوث وتحقیق المخطوطات، الدکتور محمد التونجی، عالم الکتب بیروت طبعة ثانیة، ۱۹۹۵ء

۱۰۔ اصول تحقیق وترتیب متن، ڈاکٹر تنویر علوی، شعبہ اردو، دہلی یونیورسٹی، ۱۹۷۷ء

۱۱۔ تدوین متن کے مسائل (مجموعہ مقالات) ڈاکٹر عابد رضا بیدار۔

۱۲۔ مجلہ فکر ونظر، جلد ۳۵، مخطوطات نمبر، خصوصی اشاعت، ادارہ تحقیقات اسلامی، بین الاقوامی اسلامی یونیورسٹی، اسلام آباد۔

۱۳۔ اصول وضع اصطلاحات، مرتب اعجاز راہی، مقتدرہ قومی زبان، اسلام آباد، ۱۹۸۹ء

سوالات:

۱۔ مخطوطات کی اہمیت وتاریخ کے بارے آپ کیا جانتے ہیں؟

۲۔ ایسے کتب خانوں کی نشاندہی کیجیے جو مخطوطات سے مالا مال ہیں؟

۳۔ مخطوطات کی تحقیق کے مختلف مراحل کون کون سے ہیں؟

۴۔ کسی مخطوط کا انتخاب کیجیے اور عملی خاکہ بنانے کی کوشش کیجیے؟

۵۔ ضبط متن کی اہم شروط واصول وضوابط کی نشاندہی کیجیے؟
۶۔ تعلیق نگاری کے بارے علماءِ تحقیق نے کون کون سے نظریات پیش کیے ہیں؟
۷۔ ضبط متن اور تعلیق متن کے مابین فرق واضح کیجیے؟
۸۔ تعلیق نگاری کے مقاصد ذکر کرتے ہوئے اس کے بنیادی اصول وضوابط قلمبند کیجیے؟
۹۔ تصحیح متن کے دوران کن امور کوملحوظ خاطر رکھنا چاہیے؟
۱۰۔ درج ذیل مصطلحات کی وضاحت کیجیے:
تصحیف، تحریف، ترمیم، تعبیر، تنسیخ، تصحیح، تبییض، خرم، بیاض، سقط۔

•••

فہارس سازی

اہداف ومقاصد:

اس باب کے مطالعہ کے بعد آپ اس قابل ہوجائیں گے کہ:

فہارس کی اہمیت اور فہارس بنانے کے مختلف طریقوں سے آگاہ ہو سکیں، تاکہ عملی طور پر ان کی تطبیق عمل میں لائی جاسکے۔

موجود دور میں اہمیت فہارس تحقیقی مقالات کی تیاری میں اساس کا درجہ رکھتی ہیں۔ محقق کا موضوعِ تحقیق مخطوط ہو یا کوئی اور، مسودے کی تیاری کے بعد سب سے پہلا اور اہم ترین کام جو محقق کو کرنا ہے وہ ہے فہارس فنیہ کی تیاری۔ بے شک فہارس تحقیقی مقالہ کے مندرجات کے لیے کشاف کی حیثیت رکھتی ہیں اور تحقیقی عمل کی توثیق وتصدیق بھی انہی پر موقوف ومنحصر ہوتی ہے۔ جس قدر فہارس جامع اور اصولوں کے مطابق ہوں گی، اسی قدر مقالہ کی قدر وقیمت بھی بڑھے گی اور یہ کہ یہ فہارس مقالہ نگار کی اہلیت کا منہ بولتا ثبوت بھی پیش کر رہی ہوں گی۔

فہارس درج ذیل ترتیب کے مطابق تیار کی جاتی ہیں:

۱۔ قرآنی آیات کی فہرست

۲۔ احادیث نبویہ کی فہرست

۳۔ آثار واقوال کی فہرست

۴۔ ابیات کی فہرست

۵۔ فہرست أعلام

۶۔ فہرست اماکن وبلدان

۷۔ فہرست جبال

۸۔ فہرست قبائل

۹۔ فہرست مصادر و مراجع

۱۰۔ فہرست موضوعات

مذکورہ ترتیب فہارس کی خارجی ترتیب ہے اور جہاں تک ہر فہرست کی داخلی ترتیب کا تعلق ہے تو اس کی وضاحت ذیل میں پیش کی جاتی ہے:

قرآنی آیات کی فہرست:

تحقیقی مقالہ میں وارد قرآنی آیات کی ترتیب ترتیب (الف بائی) ہوگی جس میں محقق آیت مبارکہ کے پہلے لفظ کے حروف اصلیہ معلوم کرنے کے بعد پہلے حرف کے مطابق اس کو الف بائی انداز میں اسی جگہ پر ذکر کرے گا جو اس کا نمبر بنے گا اور اگر آیت مبارکہ کا پہلا لفظ اسمائے جامدہ میں سے ہو (یعنی جن کے حروف اصلیہ معلوم نہ کیے جا سکیں) تو پھر اسی لفظ کے پہلے حرف کو ملحوظ خاطر رکھیں گے اور الف بائی ترتیب کے مطابق جو جگہ یا نمبر اس کا بنتا ہو اس جگہ اس آیت کو ذکر کریں گے۔ آیات قرآنیہ کی فہرست بنانے کے لیے پانچ قائمات بنائے جاتے ہیں۔ پہلا قائمہ نمبر شمار کے لیے، دوسرا قائمہ آیات کے لیے، تیسرا قائمہ سورۃ کے نام کے لیے، چوتھا قائمہ آیت نمبر اور پانچواں قائمہ مقالہ کے صفحہ نمبر کے لیے مختص کیا جاتا ہے۔ اس فہرست کی عملی تدریب ذیل میں کرتے ہیں مثال کے طور پر درج ذیل آیات تحقیقی مقالہ میں بطور استشہاد وارد ہوئی ہیں:

(i) لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِي رَسُوْلِ اللّٰهِ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ

(ii) قُلْ سِيْرُوْا فِي الْاَرْضِ ثُمَّ انْظُرُوْا

(iii) اُولٰٓئِكَ لَهُمْ رِزْقٌ مَّعْلُوْمٌ

(iv) يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِنْ جَآءَكُمْ فَاسِقٌۢ بِنَبَاٍ فَتَبَيَّنُوْٓا

(v) كَبُرَ مَقْتًا عِنْدَ اللّٰهِ اَنْ تَقُوْلُوْا مَا لَا تَفْعَلُوْنَ

ان آیات کی ترتیب الف بائی انداز میں اس طرح لگائیں گے:

نمبر شمار	آیات مبارکہ	سورت کا نام	آیت نمبر	صفحہ نمبر
۱۔	أولئک لهم رزق معلوم	الصفت	۱۳	۵
۲۔	قل سیروا فی الارض ثم انظروا	الانعام	۵۲	۳۰
۳۔	کَبُرَ مقتاعند الله أن تقولوا مالا تفعلون	الصّف	۳	۴۰
۴۔	لقد کان لکم فی رسول الله أسوه حسنة	ال أحزاب	۴۴	۵۵
۵۔	یایها الذین امنوا إن جاء کم فاسق بنبأ فتبینوا	الحجرات	۶	۸۲

نیز احادیث مبارکہ، آثار، اقوال، امثال، اعلام، قبائل اور بلدان کی فہارس بھی اسی طرح بنائی جائیں گی، جس طرح آیات کی فہرست الف بائی ترتیب کو ملحوظ خاطر رکھتے ہوئے بنائی گئی ہے صرف فرق یہ ہے کہ اس فہرست کو پانچ قائمات میں تقسیم کیا تھا، دیگر فہارس بناتے ہوئے چار قائمات بنائے جاتے ہیں:

نمبر شمار	حدیث	صفحہ نمبر	سطر نمبر
۱	إِنَّمَا الْأَعْمَالُ بِالنِّيات	۳۵	۶

دیگر فہارس بناتے ہوئے حدیث کی جگہ قول، مثل، علم، قبیلہ یا شہر کا نام آئے گا بقیہ معلومات اسی طرح ذکر کی جائیں گی۔

فہرست أبیات:

ابیات کی فہرست بناتے ہوئے قافیہ [1] کو ملحوظ خاطر رکھا جاتا ہے پھر ان قوافی کو معجمی ترتیب کے مطابق مرتب کیا جاتا ہے۔ پہلے وہ ابیات ذکر کیے جائیں گے جن کا قافیہ ہمزہ ہو پھر قافیہ باء والے، پھر قافیہ تاء والے اسی طرح یاء تک تمام قوافی ذکر کرتے جائیں گے۔ اگر کئی ابیات ایک ہی قافیہ پر ختم ہو رہے ہوں تو پھر قوافی کی اقسام [2] دیکھیں گے پہلے قافیہ

مطلقہ والے ابیات فہرست میں ذکر کریں گے بعد میں قافیہ مقیدہ والے۔ اگر قافیہ مطلقہ والے بھی کئی ابیات ہوں تو پھر پہلے قافیہ مرفوعہ (۳) والے پھر منصوبہ (۴) اور بعد میں قافیہ مجرورہ (۵) والے ابیات ذکر کریں گے۔ قافیہ مطلقہ کے سارے ابیات ذکر کرنے کے بعد قافیہ مقیدہ والے ابیات ذکر کیے جائیں گے۔ ذیل میں بطور تدریب ایک مثال پیش کرتے ہیں۔ ابیات کی فہرست بناتے ہوئے صفحہ کو چھ قائمات میں تقسیم کریں گے، پہلا قائمہ نمبر شمار کے لیے، دوسرا ابیات، تیسرا قافیہ کے لیے، چوتھا شاعر کے نام کے لئے، پانچواں صفحہ نمبر اور چھٹا سطر نمبر کے لئے مختص کریں گے۔

مثال کے طور پر درج ذیل ابیات محقق نے بطور استشہاد مقالہ میں ذکر کیے ہیں:

۱۔ مُحمَّد سَیِّدُ الکونینِ وَ الثَّقلَینِ — وَالفَرِیقَینِ مِنْ عُربٍ وَ مِنْ عَجَمٖ
۲۔ وُلِدَ الهُدٰی فَالکَائِنَاتُ ضِیَاءٌ — وَفَمُ الزمانِ تَبَسُّمٌ وَثَنَاءُ
۳۔ وَقَدْاَغتَدِی وَالطَّیرُ فِی وُکُنَاتِهَا — بِمُنجَرِدٍ قَیدِ الأَوابدِهیکلِ
۴۔ سَتُبدِیْ لَکَ الأَیَّامُ مَاکُنتَ جَاهِلاً — وَیَأتِیکَ بِالأَخبَارِ مَنْ لَمْ تُزَوِّدٖ
۵۔ اَلَالَایَجهَلَنْ أحَدٌ عَلَینَا — فَنَجهَلُ فَوقَ جَهلِ الجَاهِلِینَا
۶۔ صَرِیعُ مُدامٍ یَرْفَعُ الشربُ رَأسَهُ — لِیَحیَا، وَقَدمَاتَتْ عِظَامٌ وَمَفصِلُ
۷۔ هٰذاالَّذِی تَعرِفُ البَطحاءُ وَطْأتَهُ — وَالبَیتُ یَعرِفُهُ وَالحِلُّ وَالحَرَمُ
۸۔ اَلَستُمْ خَیرَ مَنْ رَکِبَ المَطَایَا — وَأندَی العَالَمِینَ بُطُونَ راحٖ
۹۔ اَلأُمُّ مَدرَسَةٌ إذا أَعْدَدتَهَا — أَعْدَدتَ شَعْبًا طَیِّبَ الأَعْرَاقِ
۱۰۔ إنَّ العُیُونَ الَّتِی فِیْ طَرفِهَا حَوَرٌ — قَتَلْنَنَا ثُمَّ لم یُحْیِینَ قَتلَانَا

۱۔ شعر کے آخری حرف کو قافیہ کہتے ہیں۔

۲۔ قوافی کی دو اقسام ہیں مطلقہ اور مقیدہ۔ ایسا قافیہ جس کے آخری حرف پر کوئی حرکت (زیر، زبر، یا پیش) ہو مطلقہ کہلاتا ہے اور ایسا قافیہ جس کے آخر میں حرکت نہ ہو یعنی ساکن ہو اسے قافیہ مقیدہ کہتے ہیں۔

۳۔ ایسا قافیہ جو رفعی (ُ) حالت میں ہو۔

۴۔ ایسا قافیہ جو نصبی (َ) حالت میں ہو۔

۵۔ ایسا قافیہ جو جری (ِ) حالت میں ہو۔

اب ہم ان مذکورہ ابیات میں غور کرتے ہیں تا کہ ان کی ترتیب لگا کر فہرست ابیات میں ذکر کر سکیں۔ سب سے پہلے ہم ان ابیات کا قافیہ اور قسم معلوم کرتے ہیں۔

پہلے شعر کا قافیہ میم اور اس کی قسم مطلقہ اور مجرورہ ہے۔

دوسرے شعر کا قافیہ ہمزہ مرفوعہ ہے اور قسم مطلقہ ہے۔

تیسرے شعر کا قافیہ لام مجرورہ ہے اور قسم مطلقہ ہے۔

چوتھے شعر کا قافیہ دال مجزومہ ہے اور قسم مقیدہ ہے۔

پانچویں شعر کا قافیہ نون مجرورہ ہے اور قسم مطلقہ ہے۔

چھٹے شعر کا قافیہ لام مرفوعہ ہے اور قسم مطلقہ ہے۔

ساتویں شعر کا قافیہ میم مرفوعہ ہے اور قسم مطلقہ ہے۔

آٹھویں شعر کا قافیہ حاء مجرورہ ہے اور قسم مطلقہ ہے۔

نویں شعر کا قافیہ قاف مجرورہ ہے اور قسم مطلقہ ہے۔

دسویں شعر کا قافیہ نون منصوبہ ہے اور قسم مطلقہ ہے۔

ان ابیات کا قافیہ اور قسم معلوم کر لینے کے بعد ان کی الف بائی ترتیب قافیہ کو ملحوظ خاطر رکھتے ہوئے لگاتے ہیں اور مکمل فہرست بنا کر بطور نمونہ پیش کرتے ہیں:

نمبر شمار	ابیات	قافیہ	شاعر	صفحہ نمبر	سطر نمبر
1	ولدالهدى فالكائنات ضياء وفم الزمان تبسم و ثناء	ہمزہ	احمد شوقی	30	6
2	ألستم خير من ركب المطايا وأندى العالمين بطون راح	حاء	جریر	87	10
3	ستبدی لک الأیام ماکنت جاهلا ویاتیک بالاخبار من لم تزوّد	دال	طرفة بن العبد	40	8

4	الأم مدرسة اذاأعددتها أعددت شعباً طيب الأعراق	قاف	حافظ ابراہیم	140	16
5	صريع مدامٍ يرفع الشرب رأسه ليحيا وقدماتت عظام و مفصل	لام	اخطل	45	18
6	وقد اغتدى والطيرفى وكنا تها بمنجرد قيدالأوابدهيكل	لام	امرؤالقیس	36	9
7	هذا الذى تعرف البطحاء وطأتهٔ والبيت يعرفه والحِلّ والحرم	میم	فرزدق	80	7
8	محمد سيد الكونين والثقلين والفريقين من عوب ومن عجم	میم	بوصیری	90	11
9	الالايجهلن أحد علينا فنجهل فوق جهل الجاهلينا	نون	عمرو بن کلثوم	130	14
10	إن العيون التى فى طرفها حور قتلننا ثم لم يُحيِيْنَ قَتْلاً نا	نون	جریر	76	13

فہرست مصادر و مراجع:

جس طرح دیگر فہارس الف بائی ترتیب کے مطابق بنائی جاتی ہیں اسی طرح مصادر و مراجع کی فہرست بھی الف بائی ترتیب کو ملحوظ خاطر رکھتے ہوئے بناتے ہیں اور جہاں تک مصادر و مراجع کا تعلق ہے تو ان کی توضیح اور ان میں فرق پہلے ذکر کر چکے ہیں۔ مصادر و مراجع کی فہرست بنانے کے کئی ایک طریقے علمی میادین میں مروج و متداول ہیں۔ چند ایک معروف طریقے قابل ذکر ہیں:

۱۔ مؤلف کے نام کے مطابق

۲۔ کتاب کے نام کے مطابق

۳۔ مصادر و مراجع کی دو حصوں میں تقسیم (یعنی مصادر کی الگ فہرست اور مراجع کی الگ فہرست)
۴۔ موضوعات کے مطابق
۵۔ مصادر و مراجع کی نوع کے مطابق فہرست سازی

ان مذکورہ طریقوں میں غور و خوض کریں تو پتا چلتا ہے کہ محقق کسی بھی طریقہ سے مصادر و مراجع کی فہرست بنانا چاہے تو وہ الف بائی ترتیب کے مطابق ہی فہارس بنائے گا ان تمام طریقوں میں مشہور و معروف طریقہ باریک بین علماء کے نزدیک وہ ہے جس میں مصادر و مراجع کو دو حصوں میں تقسیم کیا جاتا ہے۔ پہلے مصادر کی فہرست اور پھر مراجع کی فہرست بنائی جاتی ہے۔ مغربی اسکالرز کے نزدیک معروف ترین طریقہ وہ ہے جس میں مؤلف کے نام کے مطابق فہرست بنائی جاتی ہے، جبکہ مسلمان اسکالرز کے نزدیک معروف ترین اور پسندیدہ طریقہ وہ ہے جس میں کتاب کے نام کو ملحوظ خاطر رکھا جاتا ہے، اب ہم ان دونوں طریقوں کی عملی مشق کرتے ہیں تاکہ تحقیقی عمل میں آسانی ہو۔ مثال کے طور پر محقق نے اپنے مقالہ میں درج ذیل کتب سے استفادہ کیا:

۱۔ البیان والتبیین، از جاحظ
۲۔ الصحاح، از جوھری
۳۔ أصول البحث العلمي و مناھجه، از ڈاکٹر احمد بدر
۴۔ أبجد العلوم، از قنوجی
۵۔ الکامل، از مبرد
۶۔ القاموس المحیط، از فیروز آبادی
۷۔ الجامع الصحیح، از امام بخاری، محمد بن اسماعیل
۸۔ تھذیب اللغة از أزھری

اب محقق ان مذکورہ کتب کو الف بائی طریقہ کے مطابق ترتیب دے گا، تو ان کی

ترتیب درج ذیل صورت کے مطابق ہوگی۔طلبہ کی آسانی کی خاطر ہم ان مصادر کو خانوں میں ذکر کرتے ہیں۔

نمبر شمار	مؤلف	کتاب	مطبع	سن اشاعت
۱	ازھری، محمد بن احمد	تھذیب اللغة	الدار المصریة، مکتبة ال أنداس	۱۹۶۴ء
۲	بخاری، محمد بن اسماعیل	الجامع لصحیح للبخاري	قدیمی کتب خانہ کراتشی	۱۹۵۳ء
۳	بدر، احمد ڈاکٹر	اصول البحث العلمی و مناھجه	وکالة المطبوعات کویت	۱۹۸۲ء
۴	جاحظ، عمرو بن بحر	البیان و التبیین	دار صعب، بیروت لبنان	بغیر سن اشاعت س ن بدون سنة الطبع
۵	جوھری، اسماعیل بن حماد	الصحاح	دار احیاء التراث العربی بیروت	۱۹۹۹ء
۶	فیروز آبادی، محمد بن یعقوب	القاموس المحیط	دار الجیل	۱۹۸۷ء
۷	قنوجی، صدیق حسن خان	ابجد العلوم	المکتبة القدوسیة، لاھور	۱۴۰۳ھ
۸	مبرد، محمد بن یزید	الکامل فی اللغة و الأدب	مکتبة المعارف بیروت	بغیر سن اشاعت س ن

کتاب کے نام کے مطاق فہرست بنانے کا طریقہ:

مذکورہ مصادر کو الف بائی طریقہ کے مطابق ترتیب دیں تو درج ذیل صورت سامنے آئے گی۔

نمبر شمار	کتاب	مؤلف	مطبع	سن اشاعت
۱	ابجد العلوم	قنوجی، صدیق حسن خان	المکتبۃ القدوسیۃ، لاہور	۱۴۰۳ھ
۲	اصول البحث العلمی و مناھجہ	بدر، احمد ڈاکٹر	وکالۃ المطبوعات، کویت	۱۹۸۲ء
۳	البیان والتبیین	جاحظ، عمرو بن بحر	دار صعب بیروت	بغیر سن اشاعت
۴	تھذیب اللغۃ	ازھری، محمد بن احمد	الدار المصریۃ، مکتبۃ الاندلس	۱۹۶۴ء
۵	الجامع الصحیح	البخاری، محمد بن اسماعیل	قدیمی کتب خانہ کراچی	۱۹۵۳ء
۶	الصحاح	جوھری، اسماعیل بن حماد	دار احیاء التراث العربی بیروت	۱۹۹۹ء
۷	القاموس المحیط	الفیروز آبادی، محمد بن یعقوب	دار الجیل	۱۹۸۷ء
۸	الکامل فی اللغۃ والأدب	المبرد، محمد بن یزید	مکتبۃ المعارف بیروت	بغیر سن اشاعت

موضوع کے مطابق فہرست بنانے کا طریقہ:

محقق اگر موضوعِ مصادر کو ملحوظ خاطر رکھ کر فہرست بنانا چاہے تو اپنے مقالہ کے تمام مصادر و مراجع کو ان کے موضوعات کے مطابق تقسیم کرے گا ان موضوعات کی خارجی

ترتیب درج ذیل ہوگی۔

۱۔ علوم القرآن

۲۔ علوم الحدیث

۳۔ علوم الفقہ

۴۔ السیرۃ

۵۔ التراجم

۶۔ ادب

۷۔ تاریخ

۸۔ لغت

۹۔ دیگر کتب

ان موضوعات میں سے ایک ایک موضوع کو لے کر اس کے متعلقہ کتب الف بائی ترتیب کے مطابق مرتب کی جائیں گی۔ مثال کے طور پر مذکورہ کتب جن کی عملی مشق کے دوران ہم نے مختلف انداز سے فہارس بنانے کی مشق کی ہے، انہی کتب کو موضوعاتی اعتبار سے تقسیم کریں تو درج ذیل مختلف موضوعات بنتے ہیں:

☆ کتب حدیث

☆ کتب اصول تحقیق

☆ کتب لغت

☆ کتب ادب

اگر اور کتابوں سے بھی استفادہ کیا ہو تو ان کو بھی اسی طرح موضوعات کے مطابق تقسیم کریں گے پھر ان موضوعات کے مصادر کو الف بائی ترتیب کے اعتبار سے مرتب کریں گے۔ اب ہم عملی اعتبار سے ان کی مشق کرتے ہیں۔ سب سے پہلے کتب حدیث کے مصادر ذکر کریں گے۔ کیونکہ مذکورہ کتب کی موضوعاتی ترتیب کے مطابق کتب حدیث پہلے ذکر کی

جائیں گی، اگر علوم القرآن کی کتب سے بھی استفادہ کیا ہوتا تو ان کتب کا حدیث کی کتب سے ذکر پہلے آتا۔

کتب حدیث

نمبر شمار	کتاب	مؤلف	مطبع	سن اشاعت
۱	الجامع الصحیح	بخاری، محمد بن اسماعیل	قدیمی کتب خانہ کراچی	۱۹۵۳

کتبِ اُدب

نمبر شمار	کتاب	مؤلف	مطبع	سن اشاعت
۱	البیان والتبیین	جاحظ، عمرو بن بحر	دار صعب بیروت	بغیر سنِ اشاعت
۲	الکامل فی اللغۃ والأدب	المبرد، محمد بن یزید	مکتبہ المعارف، بیروت لبنان	بغیر سنِ اشاعت س ن

کتب لغت

نمبر شمار	کتاب	مؤلف	مطبع	سن اشاعت
۱	تھذیب اللغۃ	ازھری، محمد بن احمد	الدار المصریۃ	۱۹۶۴ء
۲	الصحاح	الجوہری، اسماعیل بن حماد	دار احیاء التراث العربی	۱۹۹۹ء
۳	القاموس المحیط	الفیروز آبادی، محمد بن یعقوب	دار الجیل	۱۹۸۷ء

متفرق کتب

نمبر شمار	کتاب	مؤلف	مطبع	سن اشاعت
۱	أبجد العلوم	قنوجی، صدیق حسن خان	المكتبة القدوسية، لاهور	۱۴۰۳ھ
۲	أصول البحث العلمي و مناهجه	بدر، احمد ڈاکٹر	وكالة المطبوعات كويت	۱۹۸۲ء

مصادر و مراجع کی نوعیت کے مطابق فہرست سازی:

محقق اگر مصادر و مراجع کی نوعیت کے اعتبار سے فہرست بنانا چاہتا ہے تو مصادر کی نوعیت کی ترتیب درج ذیل ہوگی:

۱۔ مخطوطات
۲۔ عربی کتب
۳۔ غیر عربی کتب
۴۔ عربی رسائل وجرائد
۵۔ غیر عربی رسائل وجرائد
۶۔ اداروں کی کتب
۷۔ جدید ذرائع تحقیق کے مصادر

محقق مذکورہ بالا ترتیب کو ملحوظ خاطر رکھ کر اپنے مقالہ کے مصادر کو مختلف انواع میں تقسیم کرے گا، پھر ایک ایک نوع لے کر اُن میں مصادر الف بائی ترتیب کے مطابق ذکر کرے گا۔

(نوٹ) اگر مصادر مختلف زبانوں کے ہوں تو زبان کو ملحوظ خاطر رکھ کر بھی فہرست مصادر و

مراجع بنائی جاسکتی ہے۔مثلاً عربی مصادر کی فہرست، اردو مصادر کی فہرست، انگریزی مصادر کی فہرست، فارسی مصادر کی فہرست و دیگر زبانوں کے مصادر کی فہارس۔

فہرست موضوعات:

یہ فہرست مقدمہ مقالہ یعنی ابتدائے مقالہ سے لے کر اختتامِ مقالہ اور فہارس تک کے تمام بنیادی عناوین و موضوعات پر مشتمل ہوتی ہے۔علمی کتب ہوں یا مقالات یہ فہرست مقالہ کے شروع میں بنائی جاتی ہے اور آخر میں بھی لگائی جاتی ہے۔اس فہرست کو مختلف ناموں سے پکارا جاتا ہے، جن میں ''فہرست موضوعات''، ''فہرست عناوین''، ''محتویات''، ''مندرجات''، ''مشمولات'' اور ''فہرست مضامین'' قابلِ ذکر ہیں۔یہ فہرست ہر ادارہ کے فارمیٹ کے مطابق ابتداء یا اختتام میں لگائی جاسکتی ہے۔گورنمنٹ کالج یونیورسٹی، فیصل آباد کے فارمیٹ کے مطابق یہ فہرست ابتدائے مقالہ میں لگائی جاتی ہے۔یہ فہرست تین قائمات پر مشتمل ہوتی ہے جن میں سے پہلا قائمہ ''نمبر شمار'' کے لیے، دوسرا ''عناوین/موضوعات'' تیسرا اور آخری قائمہ ''صفحہ نمبر'' کے لیے مختص ہوتا ہے، تاکہ قاری کے لیے مندرجاتِ مقالہ تک رسائی میں آسانی ہوسکے۔یہ فہارس سازی کے بنیادی مقاصد میں سے بھی ہے۔ذیل میں موضوعات کی مثال بطور نمونہ پیش کرتے ہیں:

نمبر شمار	عناوین	صفحہ نمبر
۱۔	مقدمہ	ا۔ج
۲۔	باب اول	۱۔۳۵
۳۔	باب ثانی	۳۶۔۹۰

•••

کتب اصول تحقیق وتدوین مخطوطات

اس باب کے مطالعہ کے بعد آپ اس قابل ہو جائیں گے کہ:
عربی، اردو زبان اور انگریزی میں اصول تحقیق وتدوینِ مخطوطات کی کتب سے متعارف ہوں تاکہ بوقت ضرورت مستفید ہوسکیں۔

الكتب العربية

- ★ أصول كتابة البحث وقواعد التحقيق، مهدي فضل الله، مطبعة دار الكتب المصرية۔
- ★ مناهج تحقيق التراث بين القدامى والمحدثين، رمضان عبدالتواب، مكتبة الخانجي بالقاهرة، ١٤٠٦هـ
- ★ أصول البحث العلمي، الدكتور أحمد بدر، وكالة المطبوعات، الكويت ١٩٨٧م
- ★ تحقيق النصوص في التراث اللغوي، دراسة تأصيلية، القاهرة ٢٠٠١م
- ★ مناهج البحث و تحقيق التراث، الدكتور أكرم ضياء العمري، مكتبة العلوم والحكم، المدينة المنورة، ١٩٩٠م
- ★ البحث الأدبي، دار الكتاب اللبناني ومكتبة المدرسة، ١٤٠٢هـ، ثريا عبدالفتاح ملحس
- ★ التطبيق العملي لمنهج البحث الأدبي والتحقيق العلمي، الدكتور رشيد عبدالرحمن العبيدي، جامعة القاضي عياض، المطبعة والوراقة

الوطنية، مراکش، ۱۹۸۳م

* الوافي في أسس وخطوات تحقيق ونشر المخطوطات، عبدالله بن عبدالله الحوثي، وزارة الثقافة والسياحة، صنعاء، ۲۰۰۴م
* منهج البحث في الدراسات الإسلامية تأليفا و تحقيقًا، الدكتور فاروق حمادة ، منشورات كلية الآداب والعلوم الإنسانية، جامعة محمد الخامس، المملكة المغربية، الرباط، ۱۴۱۶ھ
* مبادئ في مناهج البحث العلمي، فواز الصادق، دار العلوم، بيروت ۱۴۰۸ھ
* فن كتابة البحث الأدبي والمقال، د.محمد على داؤد و د.صابر عبدالدايم، جامعة الأزهر، ۱۴۰۴ھ
* اسلوب البحث و التحقيق ، د.محمد المنصور، مؤسسة وليد الكعبة، قم، ۱۴۲۲ھ_۲۰۰۲م
* كتابة البحث العلمى و مصادر الدراسات الاس، الدكتور عبدالوهاب، ابراهيم جده، دار الشرق، ۱۹۸۶م
* مناهج البحث العلمى ، الدكتور عبدالرحمان بدوى ، الكويت، وكالة المطبوعات، ۱۹۶۱م
* اضواء على البحث العلمى، السيد الحديدى، حلب ، دارالقلم العربى، ۱۹۹۳م
* منهج تحقيق النصوص ونشرها، الدكتور نورى حمودى، والعانى، والدكتور سامى مكى، بغداد، جامعة بغداد ۱۹۷۵ء
* فن كتابة البحوث العلمية وإعداد الرسائل الجامعية، محمد عثمان

الخشت، القاهرة، مكتبة ابن سيناء، ۱۹۹۰م

* دليل الباحثين فى شرح خطوات إعداد البحث، عبدالفتاح خصير، الرياض، معهو الادارة الجامة ۱۸۷۴ء
* كيف تكتب بحثا جامعيا، محمد عبدالمنعم خفاجى، و شرف عبدالعزيز، مكتبة الانجلو المصرية، ۱۹۸۵م
* كيف تكتب بحثا، الدكتور محمد على الخولى، طبعة أولى، الأردن، دار الفلاح للنشر والتوزيع، ۱۹۹۶م
* أساسيات البحث العلمى بين النظرية والتطبيق، الدكتور حنان عيسى سلطان وغيره، الرياض، دار العلوم ۱۹۸۴م
* الأسلوب العلمي فى البحث، احمد الصباب، جده، دار عكاظ للطباعة والنشر، ۱۹۸۰ء
* البحث الأدبى طبيعته، مناهجه، أصوله مصادره، الدكتور شوقى ضيف، القاهرة، دار المعارف، ۱۹۸۶م
* البحث العلمي الحديث، الدكتور احمد جمال الدين ظاهر، والدكتور مجمد زيادة، عمان، الأردن، دار الفكر، ۱۹۸۴م
* المنهاج في تأليف البحوث وتحقيق المخطوطات، محمد التونجي، دار عالم الكتب بدون السنة۔
* تحقيق المخطوطات بين النظرية و التطبيق، الدكتور فهمي سعد، والدكتور طلال مجذوب، عالم الكتب، ۱۴۱۳ھ
* ضبط النص والتعليق عليه ، الدكتور بشار عواد معروف، مؤسسة الرسالة ۱۴۰۲ھ

* قواعد تحقيق المخطوطات ، الدكتور صلاح الدين المنجد، دار الكتاب الجديد، بيروت، ١٩٨٧م
* المنهجية في البحوث والدراسات الأدبية، الدكتور محمد البدوي، دار المعارف ـ سوسة ـ تونس، ١٩٩٨م
* كيف تكتب بحثًا أورسالة ، الدكتور أحد شلبي ، مكتبة النهضة المصرية، ١٩٦٨م
* أسس البحث العلميلإعداد الرسائل الجامعية، الدكتور مروان عبدالمجيدابراهيمعمان، مؤسسةالوراق، ٢٠٠٠م
* أسس و مبادئ البحث العلمي، للدكتورة فاطمة عوض صابر والدكتور ميرقت عليخفاجة، مكتبة ومطبعة الأشعاع الفنية، ٢٠٠٢م
* دليل الباحثين في إعداد البحوث العلمية، للدكتور سيدالهواري، مكتبة عين شمس، القاهرة، ٢٠٠٤م
* أصول البحث للدكتور عبدالهادي الفضلي، مؤسسة دارالكتاب الاسلامى، قم، ايران
* منهجية البحث العلمي، مائيو جيدير، ترجمة ملكة ابيض، دار الكتاب الجديدبيروت۔
* تبسيط كتابة البحث العلمي، للدكتور أمين ساعاتي، المركز السعودي، ١٩٩١م
* الأسس العلمية لكتابة رسائل الماجستير ، والدكتوراة، للدكتور محمد عبدالغني والدكتور محسن أحمد الخضيري، مكتبة الأنجلو المصرية، ١٩٩٢م

★ مناهج البحث الأدبی، سعد ظلام، القاهرة، مطبعة الأمانة ۱۹۷۶م
★ أسس البحث العلمی فی العلوم السلوكية، الدكتور فاخر عاقل ، بيروت، دار العلم للملايين ۱۹۸۸م
★ كيف تكتب بحثا و كيف تفهم أسس البحث العلمی ، الدكتور محمد توهيل فايز عبدأسعيد، الكويت، مكتبة الفلاح، ۱۹۸۸م
★ البحث العلمی مفهومه، أدواته، أساليبه، الدكتور ذوقان عبيدات وآخرون، دار أسامة للنشر والتوزيع، ۱۹۹۷م
★ البحث العلمی مناهجه وتقنياته، الدكتور محمد ريان عمر، جده، دار الشروق ۱۹۸۷م
★ أيسر الوسائل فی كتابة البحوث والرسائل، عمر بن غرامة العمروی، الرياض، عالم الكتب ۱۹۸۸م۔
★ اضواء على البحث والمصادر، عبدالرحمن عميرة، بيروت، دار الجيل ۱۹۱۹م
★ إعداد البحث العلمی ليسانس، ماجستير، دكتوراه ، الدكتور غازی عناية، الاسكندرية، مؤسسة شباب الجامعة، ۱۹۸۰م
★ المرشد فی كتابة الأبحاث، الدكتور حليمی محمد فوده وغيره، جدة دار الشروق ۱۹۹۲م
★ مناهج البحوث و كتابتها، الدكتور يوسف مصطفی القاضی، الرياض دار المريخ ۱۹۸۴م
★ البحث العلمی: دليل الطالب فی الكتابة والمكتبة والبحث ، عامر ابراهيم قندبلجی، بغداد، الجامعة المستنصرية، ۱۹۷۹م

★ مدخل إلى مناهج البحث العلمي في التربية والعلوم الانسانية، الدكتور عبدالله عبدالرحمن الكندري، الكويت، مكتبة الفلاح ۱۹۹۳م

★ اصول كتابة البحث العلمي و تحقيق المخطوطات، الدكتور يوسف المرعشلي، بيروت لبنان دارالمعرفة للطباعة والنشر والتوزيع، ۲۰۰۳م

★ قواعد تحقيق النصوص، الدكتور صلاح الدين المنجد، القاهرة، مبعة مصر، ۱۹۵۵م

★ كيف تكتب بحثاً أو تحقق نصًا، محمد نعش، القاهرة، ۱۹۸۳م

★ اساليب اعداد و توثيق البحوث العلمية، الدكتور محمد محمد الهادى، القاهرة، المكتبة الأكاديمية ۱۹۹۵م

★ تحقيق النصوص و نشرها، محمد عبدالسلام هارون، القاهرة، مؤسسة الحلبى وشركاه ۱۹۶۵م

★ دليل الباحثين فى كتابة التقارير و رسائل الماجستير والدكتوراه الدكتور، سيد الهوارى، القاهرة، مكتبة عين كشمس ۱۹۸۰م

★ البحث الاجتماعى ، ابراهيم ابولغدولوبس كامل، القاهرة، دارالمعارف ۱۹۵۹م

★ فن البحث العلمي، بيفردج، ترجمة زكريا فهمى، القاهرة، وارالنهفة، ۱۹۶۳م

★ مقدمة فى طرق البحث فى العلوم الاجتماعية، توفيق فرح، الكويت، جامعة الكويت ۱۹۷۷م

★ أسس البحث الاجتماعى، جمال زكى و سيديس، دارالفكر العربى،

القاهرة ۱۹٦۳م

* المنهج العلمي فی دراسة المجتمع، وضعه وحدوده ، حامد عمار، معهد الدراسات العربية العالية، القاهره، ۱۹٦۰م
* منهج البحث التاريخی، حسن عثمان دار المعارف، القاهرة ۱۹۷۰م
* البحث الإحصائی، أسلوبه و تحليل نتائجه، حسن محمد حسين، دار النهضة العربية، القاهرة، ۱۹٦۵
* مناهج العلماء المسلمين فی البحث العلمی، روز نتال، فراتز، ترجمة دكتور انيس فريحة، بيروت، دار الثقافة، ۱۹٦۱ء
* البحث العلمی دليل الطالب فی الكتابة والمكتبة والبحث، عامر ابراهيم، مطبعة عصام، بغداد ۱۹۷۰م
* أصول البحث الاجتماعی، عبدالباسط محمد حسن، مكتبة الانجلو المصرية، القاهرة، ۱۹۷۱م
* مناهج البحث الأدبی، علی جواد الطاهر، مطبعة العانی، بغداد ۱۹۷۰م
* مناهج البحث فی التربية وعلم النفس، فان دالين، ديوبولوب، ترجمة محمد نبيل نوفل وغيره، مكتبة الانجلو المصرية، القاهرة، ۱۹۷۷م
* فن البحث والمقال ، فخری الخضراوی ، مطبعة الرسالة ، القاهرة ۱۹۷۰م
* مبادئ البحث التربوی، فرج موسی الربضی وعلی مصطفی الشيخ بيروت دار التربية ۱۹٦٦م
* أساليب البحث العلمی فی العلوم الاجتماعية والانسانية، فوزی غرابية والآخرون، عمان، الجامعة الاردنية، ۱۹۷۷م

★ البحث العلمي ومناهجه وتقنياته ، محمدزبان عمر، دارالشروق، الرياض، ۱۹۷۹

★ البحث الاجتماعی، مبادئه ومناهجه ، محمد طلعت عیسی، مکتبة القاهرة الحدیثة، القاهرة، ۱۹۶۳م

★ مناهج البحث فی الجغرافیا بالوسائل الکمیة محمد علی عمر الفراء، وکالة المطبوعات، الکویت، ۱۹۷۸ء

★ المنطق الدیث و مناهج البحث، محمود قاسم، مکتبة الانجلو المصریة ،القاهرة۔

★ مناهج البحث فی علوم المکتبات، ناهد حمدی احمدی، الریاض ، دارالمریخ ۱۹۸۰م

★ مناهج البحوث وکتابتها، یوسف مصطفی القاضی، الریاض، دارالمریخ، ۱۹۸۰ء

★ قواعد نشر النصوص الکلاسیکیة: المیزان الجدید دکتور محمد مند ور ۱۹۴۴ءدارالمعارف، مصر

★ مقدمة فی المنهج، دکتورة بنت الشاطی۔دارالمعارف مصر، ۱۹۷۱

★ منهج تحقیق التراث العربی و قواعد نشره الدکتوراحسین نصار، دارالمعارف، مصر، القاهرة۔

★ تحقیق التراث الدکتورالهادی فضلی مکتبة العلم بجدة السعودیة ۱۹۸۲

★ اصول نقد النصوص و نشرالکتب، المستشرق الألمانی برجستر ۱۹۶۹ مکتبة الخانجی۔القاهرة۔

★ منهج البحث و تحقيق النصوص ، الدكتور يحيى وهيب الجبورى، دار الغرب الاسلامى بيروت، ۱۹۹۳

★ محاصرات فى تحقيق النصوص ، دار الغرب الإسلامى، بيروت سنة ۱۹۹۴۔

★ تحقيق التراث تاريخاً و منهجيًا الدكتور محمد الحاجزي ، مقالا فى مجلة عالم الفكر، الكويتية، مجلد ۸، عدد أوّل۔

★ تحقيق التراث، احمد جندى، مقالاً، فى المجلة العربية السعودية سنه ۱۹۷۹ء

★ منهج البحث والتحقيق ، الدكتور خالق دادملک ، آزاد بک ڈپو، اردو بازار لاهور، پاکستان

★ البحث العلمى تطوره و مناهجه، الدكتور الحافظ عبدالرحيم، مجمع البحوث العربية، ملتان پاکستان، ۲۰۰۵م

اردو کتب:

☆ ادبی تحقیق، مسائل اور تجزیہ، رشید حسن خان، الفیصل ناشران، ۲۰۰۳ء

☆ اردو میں اصول تحقیق، ڈاکٹر سلطانہ بخش، مغربی پاکستان اردو اکیڈمی، لاہور، ۲۰۰۹ء

☆ اصول تحقیق و ترکیب متن، ڈاکٹر تنویر علوی، سنگت پبلشرز، لاہور، ۲۰۰۶ء

☆ ادبی تحقیق کے اصول، ڈاکٹر تبسم کاشمیری، مقتدرہ قومی زبان، اسلام آباد، ۱۹۹۲ء

☆ ادبی تنقید اور اسلوبیات، گوپی چند نارنگ، دہلی یونیورسٹی، سنگ میل پبلی کیشنز، لاہور، ۱۹۹۱ء

☆ تحقیق شناسی، رفاقت علی شاہد، مکتبہ تعمیر انسانیت، لاہور، ۲۰۱۰ء

☆ تحقیق کی بنیادیں، ڈاکٹر اسلم ادیب، بیکن بکس، لاہور، ۲۰۰۴ء
☆ تحقیق کا فن، ڈاکٹر گیان چند جین، مقتدرہ قومی زبان، اسلام آباد، ۱۹۹۴ء
☆ تدوین متن: بنیادی مباحث، ڈاکٹر معین الدین جینا بڑے، اردو بک ڈپو، دہلی ۲۰۰۵ء
☆ تصحیح و تحقیق متن، پروفیسر نذیر احمد، ادارہ یادگار غالب، کراچی، ۲۰۰۰ء
☆ متنی تنقید، خلیق انجم، سنگ پبلشرز، لاہور، ۲۰۰۴ء
☆ مبادیات تحقیق، عبدالرزاق قریشی، خان بک کمپنی، لاہور، ۱۹۶۸ء
☆ مخطوطے کو مرتب کرنے کے اصول، محمد شفیع بلوچ، مشمولہ: ماہ نو، لاہور، مارچ ۲۰۰۱ء
☆ تحقیق و تدوین کا طریقہ کار، پروفیسر ڈاکٹر خالق داد ملک، اورینٹل بکس، لاہور، فروری ۲۰۱۲ء
☆ اصول تحقیق، ڈاکٹر عبدالحمید خان عباسی، نیشنل بک فاؤنڈیشن، اسلام آباد، ۲۰۱۲ء
☆ لائبریری سائنس اور اصول تحقیق، ڈاکٹر جمیل احمد رضوی، مقتدرہ قومی زبان، اسلام آباد، ۱۹۸۷ء
☆ تحقیقی مقالہ نگاری، پروفیسر محمد عارف، ادارہ تالیف و ترجمہ، پنجاب یونیورسٹی، لاہور، ۱۹۹۹
☆ اصول تحقیق، مطالعاتی راہنما برائے ایم فل اسلامیات، از ڈاکٹر ایم سلطانہ بخش، علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی، اسلام آباد

English Books:

☆ Research Methods in Education sixth edition by Louis Cohen, Laurence Manion & Keith Morrison, Routledge tayler & Francis Group, London & New York, 2007.

☆ Business Research Methods by Dr. Sue Greener, Dr. Sue Greener & Ventus Publishing 2008.

☆ Research Methodology Methods & Techniques by C.R Kothari, New Age International Publishers New Dehli.

☆ Research Methods for the Behavioral Sciences by Frederick J Gravetter& Lori-Ann B.Forzano, Wadswarth, Cengage learning, 2009

☆ Research Methodology by Dr.C.Rajendra Kumar, APH Publishing corporation New Dehli, 2008

☆ Research Methodology by R. Panncers elvan, Prentice Hall of India New Dehli, 2004.

☆ Literary Research Guide: An Unrotatod Listening of Reference Sources in English Literary Studies by James L.Harner, Modern Language Association of America, 2008

☆ Research Methods in English By M.P. Sinha, Atlantic Publishers & Distributors, 2004

☆ Social Science Research: Principles, Methods, and practices, 2nd Edition By Annd Bhattacherjec, Creative Common Attribution, 2012

☆ Social Research Methods by Alan Bryman, Oxford University Press, 2001.

☆ Research Methodology by Dr.J.A. Khan, APH Publishing Corporation, 2008

☆ Research Methodology in Management by Y.Pal

P.P.Arya and yesh Pal, Deep & Deep Publications, 2005

☆ Management Research Methodology: Integration of Principles, Methods and Techniques by K.N Krishnaswamey, appa Iyer Sivakumar, M.Mathirajan, Pearson Education India, 2012.

☆ How to write a research paper, Berry, Ralph, Oxford pergamon press, 1986.

☆ MLA Hand book for Writers of Research Papers 6th edition. Modern Language Association of America 1985.

☆ Introduction to Research, Hilway, Tyrus, Boston: Houghton Mifflin co, 1964

☆ A Manual for Writers of term papers, Theses and Dissertation. Turabian Kate, L.Chicago: the university of Chicago, 1967.

☆ The craft of Rescarch by wayne, 1995 Basics of Qualitative Research by corbin 1990.

☆ Rescarch is ceremony: Indigenous Research Methods by wilson 2009.

☆ Transforming Qualitative Date; Description, Analysis and Interpretation by. Harry. F.Woleott.

☆ Media and communication Research Methods by Arthur Asa Berger 2000.

☆ Application of case study Research methods by Robert K.yih 1993

☆ The Art of Literay Research by Richard D. Altick. W.Norton company. WC. New York.

☆ A concise introduction to mixed method Research. by John.w.Creswell, July 2014.

☆ Towards Methodlogically Research Syntheses: Expanding Possibilities. by. Hash Suri Hottle august 2013.

☆ How to Do Research, Nick Moore, Library Association London 1983.

☆ Writing Research paper, Lester, JD, Newyork: Harper Collins, 1993.

☆ Working for a doctorate, A guide for the humanities and social sciences, Edited by Norman Graves and Ved Varma 1997.

☆ Interesting ways to supervise student project, Disserations and theses, by Vicky Lewis, T and E Services, 1997 U.K

☆ How to get aPhD by Estelle M.Phillips and D.S.Pugh

◆◆◆

ڈاکٹر افتخار احمد خان ایک منجھے ہوئے اُستاد اور گہرا تحقیقی ذوق رکھنے والے محقق ہیں۔ایم اے، ایم فل اور پی ایچ ڈی کے کثیر مقالہ جات کی نگرانی کر چکے ہیں۔اس دوران انہوں نے طلبہ کی مشکلات کا خوب اندازہ کیا اور اپنے تجربات کی روشنی میں پیش نظر کتاب ''اصول تحقیق،، لکھی، امید ہے کہ اس کتاب سے طلبہ و طالبات کے تحقیقی تصورات واضح ہوں گے اور تحقیق کے دوران انہیں پیش آنے والی مشکلات میں کمی ہوگی۔ اللہ تعالیٰ اس کتاب کو تحقیق کے میدان میں قدم رکھنے والے طلبہ و طالبات کے لیے نفع بخش بنائے۔

پروفیسر ڈاکٹر آغا محمد سلیم اختر

یہ کتاب کئی سال کے تدریسی تجربہ کا ماحصل ہے۔ کتاب کا اسلوب اپنی ندرت اور منہج اپنی جدت کی بنا پر لائق تحسین ہے۔اس موضوع پر دستیاب کتب میں یہ کتاب کئی اعتبار سے فائق ہے۔اس کتاب کی تدوین میں اُردو، عربی، فارسی اور انگریزی کتب سے استفادہ کیا گیا ہے۔اس انداز نے کتبِ اصول تحقیق میں ایک نیا باب وَا کیا ہے۔ یقیناً تحقیق سے وابستہ طلبہ وطالبات کے لیے یہ ایک گرانقدر تحفہ ہے۔اس کی اشاعت یقیناً ہمارے شعبہ کے لیے باعثِ افتخار ہے۔ ڈاکٹر افتخار احمد خان ہمارے مقبول ترین اُستاد، وسیع النظر دانش ور اور بلند پایہ محقق ہیں۔ زبان و بیان پہ مکمل عبور کے باعث ان کا اسلوبِ بیان عالمانہ ہونے کے باوجود عام فہم اور سادہ ہے۔

پروفیسر ڈاکٹر محمد ہمایوں عباس شمس